Regd. No. LW/NP56
Princi.: 72336
G.House: 73864

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مردِ مومن

ایک "مردِ مومن" مختلف اور متضاد صفات کا حامل ہوتا ہے، جو اس کی طبعی رنگا رنگی اور تنوع پسندی کی آئینہ دار ہوتی ہے، اور مختلف و متضاد صفات دراصل اللہ تعالیٰ کے صفات و احوال کے مظاہر ہیں اور ایک "مسلم" اللہ تعالیٰ کے ان صفات کا مظہر ہوتا ہے، مثلاً کشادہ قلبی، عفو و درگذر، حلم و بردباری میں وہ خدا کی صفت "غفار" کا پرتو ہے اور اسی طرح دین و حق کے بارے میں شدت، کفر و باطل پر غصہ و غضب میں اس کی صفت "قہار" کا مظہر ہے، اور پاکی و پاک دامنی، پاک نفسی صفت "قدوس" کی آئینہ دار ہے، ایک مسلمان اپنے دین کا ہو بہو نمونہ اور اسلام کی سچی تصویر اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک کہ ان تمام اخلاق و صفات کا اپنے آپ کو پرتو نہ بنالے۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ایسے ہی مردِ مومن کی مثال اس روشن آفتاب کی سی ہے، جس کے لیے غروب نہیں جو ہمیشہ طلوع ہی رہتا ہے، اگر ایک طرف غروب ہوا تو دوسری جانب طلوع ہوا ہے

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

اور یقیناً یہ بات سچ ہے، تاریخ کے صفحات اس بات پر شاہد ہیں کہ جب کبھی عالمِ اسلام کے کسی حصہ پر مسلمانوں ہی کی کمزوریوں کے باعث کوئی افتاد پڑی تو فوراً ہی اس کی تلافی کسی دوسرے حصہ میں ہوگئی، اگر اسلام کو عالم کے ایک حصہ میں کچھ نقصان پہنچا تو دوسرے حصہ میں اسے ایک بڑی فتح حاصل ہوئی اسلام کا اگر ایک ستارہ گردش میں آیا تو مطلع اسلام پر ایک "نیا ستارہ" نمودار ہوا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اندلس کا خاتمہ ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک اندوہناک واقعہ اور عظیم حادثہ تھا لیکن ساتھ ہی یورپ کے قلب پر حکومتِ ترکیہ کی ایک نئی اسلامی حکومت نمودار ہوئی، غرناطہ کا سقوط اور دولتِ عثمانیہ کا عروج یہ دو واقعے ہیں، جو ایک ہی زمانے میں واقع ہوئے، تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی بھی تاریخِ اسلام کا بڑا افسوسناک واقعہ ہے، لیکن اسی زمانہ میں ہندوستان کی مسلم حکومت نے ترقی و وسعت اختیار کی اور اس بیسویں صدی کے شروع میں یورپ کے ہاتھوں عالمِ اسلام کو سخت جھٹکے لگے اور یورپ کی حکومتوں نے حکومتِ ترکیہ کو وراثت کے طور پر تقسیم کرلیا، لیکن ساتھ ہی سارا عالمِ اسلام جیسے جاگ اٹھا، ذہنی بیداری عام ہوئی، آزادی و حریت کا سیاسی شعور پیدا ہوا، اور مختلف اسلامی تحریکیں چل پڑیں، آج ایسا نظر آرہا ہے کہ جیسے سارا عالمِ اسلام ایک نئی کروٹ لینے کو ہے، دیکھیے پردۂ غیب میں کیا پوشیدہ ہے؟ تاریخِ اسلامی ایسے ہی واقعات سے بھری پڑی ہے، اسلام کا آفتاب اگر ایک افق میں چھپتا ہے تو دوسرے افق سے اس کی تیز کرنیں نمودار ہوتی ہیں اور یہ اس لیے کہ اسلام ہی اللہ کا وہ آخری پیغام ہے جو ساری انسانیت کے لیے شمعِ ہدایت ہے اس کے بعد اس عالم کے لیے اب کوئی دوسرا پیام نہیں، اور مسلمان اس "پیام" کی حامل آخری امت ہے، اگر یہ ہلاک اور ضائع ہوگئے تو وہ آخری پیغام ضائع ہو جائے گا اور انسانیت کی کشتی ہمیشہ کے لیے ڈوب جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کا وجود اس کائنات میں کفر و باطل کے لیے ہمیشہ ایک "خطرہ" رہا ہے، اور اسلام ہی وہ واحد نظامِ زندگی ہے، جس کی بقا سارے باطل نظام ہائے حیات کے لیے پیامِ موت ہے، کافرانہ نظامِ زندگی اور ابلیس کی خدائی اسی وقت تک جاری ہے، جب تک کہ اسلامی نظامِ حیات ابھر کر سامنے نہیں آجاتا اور "مردِ مومن" کا کوئی گروہ اس دنیا میں موجود نہیں ہے، لیکن جس دن یہ امت بیدار ہوئی جس کی خاکستر میں "شرارِ آرزو" پوشیدہ ہے، تو پھر ابلیس کی خدائی درکافرانہ نظامِ حیات نقش برآب ثابت ہوگا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (نقوشِ اقبال)

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW (India)

دار العلوم ندوۃ العلماء کی تمام درسی مطبوعات کا مرکز

المکتبة الندویة

قصص النبیین	اول	13/00	معلم الانشاء ثانی	15/50	علم التصریف	12/00
〃	ثانی	13/00	〃 ثالث	16/50	کتاب الصرف	14/00
〃	ثالث	15/00	شرح قطر الندی	40/00	کتاب النحو	16/00
〃	رابع	12/00	شرح قطر الندی مع حاشیہ	100/00	المحادثة العربیة	4/00
〃	خامس	37/00	تمرین الصرف	14/00	مختارات اول	22/00
القراءة الراشدة	اول	13/00	تمرین النحو	15/00	〃 ثانی	21/00
〃	ثانی	13/00	منتخبات عام ایڈیشن	30/00	رسائل الاعلام	30/00
〃	ثالث	18/00	الادب الاسلامی مکرر	15/00	تہذیب اخلاق	16/00
معلم الانشاء	اول	20/00	شرح شذور الذہب	45/00	العقد المیسر	40/00

اس کے علاوہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، مولانا منظور نعمانی صاحب مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، مکتبہ الفرقان اور مکتبہ اسلام کی جملہ عربی اردو، انگریزی مطبوعات ہم سے طلب کریں

Nadwi Book Depot
Darul Uloom Ndawatululama
LUCKNOW - 226007 - P. B. 93

اظہار احمد اینڈ سنس
پرفیومرس
چوک۔ لکھنؤ
عطر حنا | عطر شمامہ

IZHAR AHMAD & SONS
PERFUMERS
TRADE MARK
CHOWK-LUCKNOW.

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات، عمدہ و اعلیٰ قسم کے روغنیات و عرق کیوڑہ۔ عرقِ گلاب و دیگر عرقیات کی ایک قابلِ اعتماد دوکان۔ ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں۔

خط و کتابت کا پتہ
اظہار احمد اینڈ سنس پرفیومرس
چوک لکھنؤ

نورانی تیل®
درد، زخم، چوٹ کی بہترین دوا

لیبل پر ڈرگ لائسنس نمبر U-18/77 اور کیپ سیل پر ⊕ مارک ضرور دیکھیں انڈین کیمیکل کمپنی کی کہیں کوئی برانچ نہیں ہے دھوکہ نہ کھائیں۔ مئو کا بنا اصلی نورانی تیل مئو کا پتہ دیکھ کر خریدیں۔

INDIAN CHEMICAL MAU.N.B. 275101

بمبئی میں
مٹھاس کی دنیا کا ایک ہی نام
★ انواع و اقسام کی خوش ذائقہ و دل پذیر مٹھائیاں
★ دیسی گھی زعفران و میوے سے بھرپور

طہورا سوئیٹس

اسپیشل افلاطون • مینگو برفی • ڈرائی فروٹ برفی • انجیر برفی • پائن ایپل برفی • ڈنگ لڈو • تیتیسہ لڈو • قلاقند اور نان خطائی

ناگپاڑہ جنکشن ۴۵/۲۲۵ بلاسس روڈ بمبئی ۸
فون ۳۰۹۱۳۱۸ - ۳۰۸۲۷۷۳

گزارش

خط و کتابت نیز منی آرڈر کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں خریداری نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں لکھیے کہ کس نام سے آپ کا رسالہ جاری ہے اس کی وضاحت ضرور فرمائیں۔

پرنٹر پبلشر: اعد حسین نے آزاد پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لیے شائع کیا

لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ
مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
جلد ۳۰ — ۲۵ مئی و ۱۰ جون ۱۹۹۳ء — مطابق ۳-۱۹ ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ — شمارہ ۱۴، ۱۵

سرپرست
مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ادارۂ تحریر
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا سلمان حسینی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی — مولانا عبداللہ حسنی ندوی
مولانا محمد رضوان ندوی — ڈاکٹر ہارون رشید

خط و کتابت و منی آرڈر کا پتہ
منیجر تعمیرِ حیات پوسٹ بکس 93
ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 (یوپی)

زرِ تعاون ملکی
سالانہ — پچاس روپے
فی شمارہ — ۲/۲۵

بیرون ملک فضائی ڈاک
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک
۲۵ ڈالر

بیرون ملک بحری ڈاک
بحری ڈاک جملہ ۱۰ ڈالر

نوٹ :-
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں، اور دفتر تعمیرِ حیات کے پتہ پر روانہ کریں

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہونچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پچاس روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیرِ حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔
چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھا کیجئے
نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں جس نام و پتہ پر رسالہ جاتا ہے اسکی صراحت منی آرڈر کوپن پر ضرور کریں
اور اگر جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضروری ہے

اداریہ

(مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)

مسلمانوں کے مسائل کا اسلامی حل

ہندوستان کے مسلمان ہوں یا دنیا کے کسی دوسرے ملک کے مسلمان، اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں ان کے لیے زندگی گذارنے، حالات کے ساتھ گذارہ کرنے، آزمائشوں اور پریشانیوں میں راہ عمل تلاش کر لینے کے لیے قرآن مجید اور حدیث شریف میں رہنمائی اور ہدایت کا پورا سامان ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ایسی مثالیں ہیں جن سے بڑی تقویت اور پوری رہنمائی حاصل ہوتی ہے پھر اس سب سامان ہدایت و تقویت کی موجودگی میں سخت سے سخت حالات کے باوجود پست ہمتی کی گنجائش نہیں رہتی۔

ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں نے صدیوں اسی طرح حکومت کی کہ ان کے زوال کا تصور بھی نہیں ہوتا تھا۔ لیکن سیرت اسلامی پر صحیح عمل کرنے اور صحیح حکمت عملی اختیار کرنے میں جو کوتاہیاں ہوئیں، ان کے نتیجہ میں خراب صورت پیدا ہوئی اور باہری طاقت جو کہ انگریز تھے قابض ہو گئے، وہ باہری طاقت تھے۔ ان کی تعداد کم تھی بلکہ بہت کم تھی لیکن اپنی حکمت عملی اور قوت عمل کے ذریعہ اتنے بڑے ملک پر غالب آ گئے، پھر تقریباً دو سو سال وہ نہ صرف حاکم رہے بلکہ اپنی من مانی کرتے رہے ان کے مقابلہ کے لیے عوامی جد و جہد ہوئی جس میں مسلمان علماء کا نمایاں اور بڑا حصہ تھا بالآخر انگریزوں کو ملک چھوڑ کر جانا پڑا، ان سے لڑائی ملکی اور غیر ملکی کے درمیان تھی، ان کے جانے کے بعد ملک کے باشندوں کے درمیان آپس کا واسطہ پڑا اور معاملات نئے ڈھنگ سے ابھرے ان کو حل کرنے میں نیا طریقہ اور نئی حکمت عملی کی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کو اپنے حالات درست رکھنے اور اپنے مخالف اور دشمن سے نبرد آزمائی کرنے کے لیے طریقہ عمل کے دو رخ بتائے گئے ہیں، ایک ایمان و تقویٰ کا رخ، دوسرا وسائل و تدابیر کا رخ، اور مسلمان کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ان دونوں پہلوؤں کو جمع کرے، ایک طرف اس میں ایمان و تقویٰ کا پہلو صحیح طور پر ہو دوسری طرف وسائل و تدابیر میں بھی کوتاہی نہ ہو مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں اس کے ساتھ ساتھ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پیش آنے والے واقعات میں بھی ہم کو رہنمائی ملتی ہے۔ اس عہد میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ایمان و تقویٰ کا اعلیٰ معیار سامنے آیا اور اسلام کی ہدایات پر عزیمت کے ساتھ قائم رہے، دین کی دعوت دینے پر کفار قریش ان سے سخت ناراض تھے انھوں نے ہر طرح کوشش کی، لالچ دی، خاندانی دباؤ ڈالے، دھمکیاں دیں، ایذا پہونچائی، طرح طرح کی تکلیف پہونچائی، اور قتل کرنے کے بھی درپے ہو گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے دین سے ہٹنے کو قبول نہیں کیا۔ (ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کیں ذلت و تحقیر برداشت کی لیکن دین سے نہیں ہٹے) اللہ کی رحمت و نصرت کا انتظار کرتے رہے اور عزم و ہمت سے کام لیتے رہے حتیٰ کہ تپ کر سونا بن گئے ۱۳ سال میں ان کی ہمت و حوصلہ کی اور عزیمت و قربانی کی عظیم تربیت ہوئی، وہ ایسے بن گئے کہ اگر اللہ کا حکم آگ میں گھس جانے کا ہو تو آگ میں گھس جائیں، اللہ کی راہ میں اپنا سب مال قربان کر دینے کا ہو تو وہ سب بلا تکلف قربان کر دیں، صبر و برداشت کا حکم ہو تو صبر و برداشت کریں خواہ اس راہ میں جان چلی جائے یا بظاہر شان گرتی ہو، چنانچہ بعض سخت ترین امتحان پیش آئے کئی صاحب ایمان حضرات نے تکلیف اٹھاتے اٹھاتے جان دیدی لیکن کوئی ایسا کام نہیں کیا جو نفس کے لیے ہو اللہ کے لیے نہ ہو، اور ایک موقع پر ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ حالات تو اب بہت زیادہ ناقابل برداشت ہو گئے ہیں اللہ کی مدد اب کب آئے گی؟ آپ نے تسلی دی اور اگلے اہل ایمان کے واقعات بتائے کہ انھوں نے کیا کیا برداشت کیا، تم ابھی سے کیوں بے صبر ہو رہے ہو اور بالآخر ۱۳ سال خطرناک اور مایوسی پیدا کرنے والے حالات میں گذار دیئے، خود تکلیف برداشت کرتے رہے اور اسلام کے درخت کی آبیاری کرتے رہے

درس حدیث

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے طریقے

ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی — ترجمہ شمس الحق ندوی

ابو اسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اسی اثناء میں بنو سلمہ کا ایک شخص آیا اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے والدین انتقال فرما چکے ہیں کیا ان کے انتقال کے بعد بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کی کوئی شکل ہے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں! ان کے لیے دعائیں کرنا، استغفار کرنا، ان کے عہد کو جس کو پورا کرنے سے پہلے وہ دنیا سے رخصت ہو گئے اس کا پورا کرنا اس رشتہ کو جوڑنا جو والدین ہی کے تعلق سے جوڑا جاتا ہے۔ ان کے دوستوں کا اکرام و احترام کرنا۔"

(ابو داؤد)

دین اسلام میں والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور تعلقات کا جوڑے رکھنا، اسلامی عقیدہ کی بنیادی خصوصیت و پہچان ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، رشتوں کا توڑنے والا جنت میں نہیں داخل ہو گا۔ عربی کا لفظ "بر" نیکی اور بھلائی کی ہر صورت پر حاوی اور شامل ہے۔ دوسرے مذاہب و ادیان میں والدین کے بارے میں اس طرح کی تعلیمات کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا قرآن کریم میں متعدد جگہ والدین کا ذکر آیا ہے۔ اور اکثر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد فوراً والدین کے حقوق کا ذکر آیا ہے۔ ارشاد پاک ہے:

"اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا"

اور خدا ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔

اللہ تعالیٰ کے احکامات کا تعلق زیادہ تر والدین اور پھر رشتہ داروں کے بارے میں وارد ہیں پھر ان کا دائرہ پھیل کر دوسرے اہل حقوق اور ضرورت مندوں تک پہونچتا ہے۔ احکامات کی ترتیب کا یہ اسلوب و طریقہ عین فطرت بشری کے مطابق ہے کہ اس کی ابتداء پہلے والدین اور اپنے گھر سے ہوتی ہے اس کے بعد جماعت و معاشرہ کے دائرہ میں پھیلتی ہے تاکہ چھوٹی چھوٹی دھرتوں اور مقامی مجموعوں کے تیار کرنے کا کام آسان ہو سکے یہ انداز مناسب وقت اور سہولت کے ساتھ مقصود کو پورا کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے ذکر کا اللہ کی عبادت کے ذکر کے معاً بعد آنا اس بات کا اعلان و ثبوت ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا درجہ ہے۔

ملاحظہ فرمائیں کہ مذکورہ آیت میں بھی اور ذیل کی آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے حکم کے بعد فوراً والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا) اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو)۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی مختلف شکلوں کی وضاحت سے احادیث شریفہ بھری ہوئی ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین سے قطع تعلق کو گناہ کبیرہ میں سے سب سے بڑا گناہ شمار فرمایا ہے آیات قرآنی نے جس طرح سے والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ فوراً ذکر کیا ہے۔ اسی طرح سے گناہ کبیرہ کو بیان کرنے والی احادیث نے والدین کے قطع تعلق کا ذکر شرک کے فوراً بعد کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تم کو گناہ کبیرہ میں سب سے بڑے گناہ سے باخبر کر دوں (تین بار آپ نے یہ فرمایا)۔ ہم لوگوں نے کہا: کیوں نہیں اللہ کے رسول ضرور ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا: "خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور والدین سے قطع تعلق کرنا" الخ۔

احساسات کو ابھارنے اور دل و ضمیر کو مخاطب کرنے والی ان عبارتوں کے ذریعہ اسلام نے مسلمانوں کے دلوں کو نیکی اور رحمت کے جذبات سے بھر دیا ہے، لہٰذا صحابۂ کرام کثرت سے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے، جن کے والدین زندہ تھے وہ بھی اور جن کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا وہ بھی۔

حافظ ابو بکر بزار نے حضرت بریدہ والی حدیث کی سند سے جو انھوں نے اپنے والد کے حوالہ سے بیان کی ہے بیان کرتے ہیں: "ایک شخص اپنے والدین کو اٹھائے ہوئے طواف کر رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم نے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ اس نے کہا نہیں دوبارہ پھر آہ سرد بھر کر کہا نہیں!

اس طرح کے واقعات اور سوالوں سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ صحابۂ کرام کے دلوں میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی کیا قدر و قیمت تھی، احادیث شریفہ کا آیات قرآنی سے مربوط ہونا اور اس کی وضاحت کی حقیقت کا اعلان تھا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا کیا درجہ اور مرتبہ ہے۔

والدین کے حسن سلوک کی اسی اہمیت و تاکید کے سبب صحابۂ کرام حسن سلوک کے طریقوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرتے رہتے تھے ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور سوال کرتا ہے کہ "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے والدین کا انتقال ہو چکا ہے کیا اس کے بعد بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کی کوئی صورت ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں فرماتے ہیں: "ہاں ان کے لیے دعا کیا کرو" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (اے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کو معاف کر دے۔

قرآن کریم کے یہ پر مغز دعائیہ الفاظ مسلمان نماز کے اندر اور باہر بھی برابر پڑھتا اور دہراتا رہتا ہے۔ دعا کا مطلب یہ کہ ان کے لیے برابر استغفار کرتا ہے ان کی مغفرت اور بلندی درجات کا بارگاہ ایزدی میں برابر طلب گار رہے۔ دعا کے ساتھ ساتھ اگر والدین کے ذمہ کوئی حق اور عہد یا قرض وغیرہ باقی ہے تو اس کے ادا کرنے کی کوشش کرے، ان حقوق العباد کے علاوہ حقوق اللہ میں سے اگر کوئی حق ان پر باقی ہے تو ان کو بھی ادا کرے خلاً حج یا روزے وغیرہ ان کے ذمہ باقی ہیں تو ان کو بھی ادا کرے ان حقوق کی ادائیگی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بہترین شکل ہے۔

حدیث کے فقہی پہلو

۱۔ علماء کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ مذکورہ حدیث سے یہ بات بہت واضح ہے کہ اولاد کے صدقہ یا حج اور نماز وغیرہ کا ثواب والدین کو پہنچتا رہتا ہے پھر اس کی روشنی میں انھوں نے فرمایا کہ اولاد اور غیر اولاد میں فرق نہیں جو مسلمان بھی ثواب پہنچائے گا ان کو پہنچے گا اسی سے علماء اس بات کے قائل ہوئے کہ مرنے کے بعد جب کسی مومن کو ایصال ثواب کیا جائے گا تو وہ اس کو پہنچے گا۔

۲۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے اسی طرح سے اس کی طرف سے روزہ رکھنے کا بھی حکم فرمایا ہے معلوم ہوا کہ مردوں کی طرف سے صدقہ کرنا اعمال صالحہ میں شامل ہے، اسی طرح ان کی طرف سے روزہ بھی نیکیوں میں شامل ہے، اسی سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردوں کو مالی عبادت مثلاً صدقہ کا ایصال ثواب جائز ہے، اسی طرح بدنی عبادت مثلاً تلاوت نماز اور روزہ کا ثواب مردوں کو پہنچانا جائز ہے۔ اور یہ مردوں کو پہنچتا ہے۔ حضرت امام احمد، امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے۔ مالکی اور شافعی علماء کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے لیکن مالکی اور شافعی علماء کی اکثریت کی رائے ہے کہ بدنی عبادت کا ثواب نہیں پہنچتا۔ اس اختلاف کے باوجود سلف کا یہ طریقہ

باقی ص ۲۷ پر

اسلام بڑھتا رہا بالآخر وہ وقت آگیا کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے مکر و کید کو بے اثر بنادیا مسلمانوں کو ان کے مقابلے کے قابل بنادیا۔ آزمائش کے ۱۳ سالہ زمانہ میں ان میں ایک طرف اسلام کے لیے سب کچھ قربان کرسکنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی دوسری طرف اسلام کی سربلندی کے لیے طاقت آزمائی کا بھی پورا اختیار حاصل ہوگیا، اب وہ تدبیر اور ایمان دونوں کو ان کے صحیح معیار سے جمع کرسکتے تھے یہی وہ جامعیت تھی جو مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے اور مسلمانوں نے اپنے دشمنوں پر جب کامیابی حاصل کی ان دونوں پہلوؤں کو جمع کرنے سے حاصل کی۔

مسلمانوں کی تاریخ میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ انھوں نے اس جامعیت سے کام نہیں لیا جس کے نتیجہ میں وہ کامیابی کی راہوں سے بھٹک گئے اور نقصان اٹھایا کبھی ان کو یہ نقصان ایمان کی کمزوری سے پہونچا کبھی نقصان تدبیر میں کوتاہی سے پہونچا اس کی متعدد مثالیں تاریخ اسلام کے پہلے عہد میں بھی ملتی ہیں وہ ہمارے لیے رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہیں۔

غزوۂ احد میں باوجود کامل مکمل ایمان والے ہونے کے اور خود حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کے باوجود شکست کے ایک سخت مرحلے سے گذرنا پڑا، اس سلسلے میں تدبیر کے دائرہ میں ایک اہم بات یہ پیش آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان مدینہ کے اندر رہتے ہوئے مقابلہ کرنے کا تھا لیکن بعض صحابہ کرام نے جو غزوۂ بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے اس کی تلافی کے شوق میں تقاضا کیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن تک پہونچ کر جنگ کی جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان یہ نہ تھا۔ لیکن ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رجحان کے بدلنے پر راضی کرلیا آپ نے ان کی رائے پر عمل کیا، جس کو بعد میں خود صحابہ نے محسوس کیا، اور افسوس بھی کیا دوسری بات یہ ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ کے پہلو میں واقع ایک ٹیلہ پر ایک تیر انداز فوجی دستہ بٹھایا تاکہ دوسری سمت کے راستہ سے دشمن گذر کر حملہ نہ کرے لیکن جب مسلمانوں کو فتح ہونے لگی تو یہ دستہ یہ سمجھ کر کہ اب شاید ڈیوٹی ختم ہوگئی، ٹیلے سے اتر آیا۔ دشمن نے ہارنے ہارتے اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور وہی ہوا جس کا خطرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا تھا اور

مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی، جو پھر آخر میں خدا کی مدد سے تھمی اور مکمل شکست نہ بن سکی لیکن کھلی فتح بھی نہیں کہلائی اس میں دراصل غلطی یہ ہوئی کہ امیر کے رجحان اور حکم کی پوری تابعداری میں فرق پڑا تھا جبکہ امیر وہ ذات تھی جو رسول تھی اور اس پر وحی آتی تھی۔

یہ تو تدبیر کی مثال تھی۔ ایمان کے سلسلہ کی مثال یہ ہے کہ غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی فوجی طاقت بڑی تھی اور فائق تھی چنانچہ مسلمانوں کو یہ احساس ہونے لگا کہ آج ہم کمزور نہیں ہیں دشمن کا ہم کو شکست دینا آسان نہیں، مسلمانوں کا یہ احساس خدا کو ناپسند ہوا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس برگزیدہ اور ایمان کامل والی جماعت کے لیے یہ پسند فرمایا تھا کہ وہ تدبیر کو مکمل کرلینے کے بعد بھی ایمان کی طاقت کو ہی اصل سمجھیں فتح و شکست خدا کے ہاتھ میں ہے اور کامیابی اس کے حکم کی تعمیل میں ہے، تدبیر ضروری جانے لیکن اس کے ساتھ ایمان و عقیدہ بھی رکھا جائے کہ فتح ملے گی تو اس کی مرضی سے ملے گی ہمارے وسائل سے نہ ملے گی چنانچہ اس پہلو میں تھوڑی کمزوری سے بھی مسلمانوں کو کچھ دیر کے لیے سخت نقصان اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ بھی نازل ہوئی کہ "وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ" کہ حنین کے معرکہ کو دیکھو جب تم کو اپنی کثرت پر اعتماد و خوشی ہوئی تھی۔ یہ کثرت تمہارے کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تمہارے لیے تنگ ہوگئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کی جماعت کی تربیت فرماتا رہا حتی کہ وہ تربیت پاکر کندن بن گئے۔ اور ان کی زندگیاں معیار حق بن گئیں جن کی اتباع قیامت تک مسلمانوں کو کرنا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہترین حکمت عملی اور حسن تدبیر کے ساتھ ان کی قیادت فرماتے، تدابیر اختیار کرتے اور اسی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے جذبات و عزائم کو ایمان و یقین کے ساتھ مربوط بناتے تھے۔ زندگی کو اللہ تعالیٰ کے حکموں اور اس کی شریعت کے مطابق رکھنے اور خدا کے حکم کی تعمیل کو مقصد عمل بنانے کی کیفیت پیدا فرماتے تھے کہ مسلمانوں کے لیے اس کے بغیر کامیابی نہیں ہے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ میں صحابہ کرام نے اپنے رسول کے

اور قائد و امیر کے رجحان و تدبیر کی ایسی اطاعت کی کہ تاریخ انسانی میں اس کی مثال نہیں ملتی صحابہ کرام میں شاید کوئی فرد ایسا نہ ہوگا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ صلح پر تعجب نہ ہوا ہو اور اس کے لیے یہ صلح گراں خاطر نہ ہو لیکن ایک صحابی نے بھی نافرمانی یا نخابخی نہیں کی اور نہایت کرب و تکلیف محسوس کرنے کے باوجود بے چون و چرا اس کو قبول کیا۔ ان کی یہ اطاعت شعاری تھی کہ یہ صلح جو بظاہر دب کر کی گئی لیکن اللہ کے حکم اور رسول کی اطاعت کے سامنے دبنا ہوا، اس لیے بے حد و حساب خیر و برکت کا باعث ثابت ہوئی۔

اٹھارہ سال سخت عداوت اور دشمنی کا سامنا کرنے کے بعد یہ صلح جس کے نتیجہ میں دو سال تک مصالحت اور امن قائم رہا اس نے دشمنوں کو موقع دیا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو شدید غلط فہمیاں رکھتے تھے ان کو مختلف قسم کی زیادتیوں اور خرابیوں سے آلودہ سمجھتے تھے، مصالحت کے نتیجہ میں مسلمانوں سے ملنے جلنے اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، مسلمانوں کو اس ضمن میں کفار کے ساتھ رواداری اور اخلاق برتنے کا بھی حکم ملا، فرمایا:

"وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ"

کہ کوئی مشرک اگر تمہارا مہمان بنا، تمہارا سہارا لینا چاہے تو اس کو سہارا دو حتی کہ وہ (تمہارے یہاں) اللہ کا کلام سنے پھر اس کو اس کی جگہ پہونچا دو جہاں وہ خطرات سے محفوظ رہے۔

چنانچہ مسلمانوں اور مشرکوں کے خلط ملط سے مسلمانوں کو تو نقصان پہونچا نہیں کیونکہ وہ ایمان و تقویٰ سے معمور تھے لیکن بے شمار مشرکین اسلام اور مسلمانوں کو قریب سے دیکھتے اور ان کے دین و اخلاق سے متاثر ہوتے اور مسلمان ہوتے۔ اس دو سالہ مصالحت کی مدت میں جتنے مسلمان ہوئے ان کی تعداد اس سے قبل کی اٹھارہ سال کی مدت سے زیادہ تھی اور پھر مسلمانوں کو اپنے مقابلہ میں کسی بڑی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ان مثالوں سے ہم کو کئی سبق ملتے ہیں ایک تو ایمان و تقویٰ و اطاعت امیر، دوسرے حکمت عملی اور بہتر سے بہتر تدبیر، تیسرے دشمنوں کو اپنے اخلاق و دین سے تعارف کرانے کی کوشش۔ دراصل مسلمانوں کا اصل فریضہ

اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق اپنی زندگی استوار کرنا پھر اس کی دعوت دوسروں کو دینا، اور اسلام کی سربلندی کے لیے صحیح حکمت عملی بہتر سے بہتر تدابیر اختیار کرنا اور اس سلسلہ میں جد و جہد و قربانی کرنا لیکن ظلم و بے انصافی سے بچتے ہوئے اور شریفانہ انسانی قدروں کے ساتھ۔

اب ہم دیکھیں کہ جن جن ملکوں میں مسلمانوں کو ادبار و ذلت و تباہی کا سامنا ہے وہاں ہم سے ایسی کوئی کوتاہی تو نہیں ہوئی ہے جو اس ادبار و تباہی کا باعث ہو کیا ہماری زندگی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق گذر رہی ہے کیا ہم اسلام کی خوبیوں کا تعارف کرانے اور حق کی دعوت دینے کی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے غیر مسلموں میں اسلام و مسلمانوں کے بارے میں جو غلط فہمیاں ہیں ان کو دور کرنے کی واقعی کوشش کرتے ہیں اور جب کسی وجہ اس کی دشمنی کا باقاعدہ مقابلہ کرنا پڑے تو مقابلہ صحیح حکمت عملی کے ساتھ سنجیدہ تدابیر اختیار کرتے ہوئے ظلم و بے انصافی سے بچ کر صحیح اسلامی قدروں پر عمل کرتے ہوئے ہوتا ہے کہ کوئی مشرک (مخالف) تمہاری حفاظت میں آنا چاہے تو اس کو حفاظت دو حتی کہ وہ قرآن مجید سنے پھر اس کو اس کے مامن تک پہونچا دو۔

قرآن و حدیث کے بتائے ہوئے اس اصول اور مذکورہ آیت پر نظر ڈالیے تو ہماری صورت بہت ناقص ظاہر ہوتی ہے۔ ہم نے غیر مسلموں کو خواہ وہ ہمارے برسہا برس کے پڑوسی ہوں اسلام اور اسلامی قدروں سے روشناس کرانے میں بڑی کوتاہی کی ہے۔ وہ برسوں سے ہمارے قریب رہتے ہیں لیکن اسلام کے بارے میں ادنیٰ واقفیت نہیں رکھتے وہ مسلمانوں کی بدعملیاں دیکھتے ہیں لیکن ان تعلیمات اور خوبیوں سے ناواقف رہتے ہیں جو مسلمانوں میں اسلام پر عمل کرنے کی صورت میں بھرپور طریقے پائی جاتی ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ اسلام میں جھوٹ بولنے کو صرف برا ہی نہیں قرار دیا گیا ہے بلکہ کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ اسلام میں کسی کو ایذا دینا صرف انسانوں تک ہی نہیں بلکہ جانور کے ساتھ بھی ممنوع ہے چنانچہ ایک سخت پیاسے کتے کو پانی پلا دینے پر ایک شخص کو جنت کی خوشخبری ملی اور ایک بلی کو گھر میں بند کرکے مصیبت میں مبتلا کردینے

میں ایک عورت کو جہنم کی سزا ملی۔ اور راستہ میں پڑی کسی ایذا پہونچانے والی چیز کو ہٹا دینے میں اجر و ثواب بتایا گیا وہ یہ نہیں جانتے کہ قرآن مجید میں صاف بتایا گیا ہے کہ کسی کو اپنا مذہب بدلنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور نہ اپنے مذہب کے مطابق کسی عمل کے کرنے سے روکا جاسکتا ہے، چنانچہ اسلامی حکومت قائم ہونے پر بھی اس حکومت کے تحت رہنے والے اپنے مذہب کے مطابق زندگی گذارنے میں بالکل آزاد رہتے ہیں خواہ ان کے وہ عمل ایک مسلمان کے لیے کیسے ہی ممنوع ہوں اس کی مثالیں تاریخ اسلام میں بے شمار ہیں۔ البتہ مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے اچھے عمل اور اچھے اخلاق سے اور معقول طریقے سے اپنے مذہب سے متعارف کرانے اور اس کی طرف دعوت کے ذریعہ دوسروں کو متاثر کریں کسی پر جبر نہ کریں۔ جن مسلمانوں نے اس پر عمل کیا ان سے بہت فیض پہونچا۔ اسی لیے غیر مسلموں میں سے جو لوگ مسلمان بنے، تاریخ بتاتی ہے کہ وہ مسلمان حکمرانوں کے دباؤ سے مسلمان نہیں ہوئے، نیک اور خدمت خلق کرنے والے اور صوفیائے اسلام اور داعیوں کے اثر سے اور اپنے ذاتی مطالعہ کے نتیجہ میں مسلمان بنے۔

کوئی مسلمان جب اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گذارتا ہے تو اس کے پڑوسی اس سے ملنے جلنے والے اور اس کے کام کے ساتھی، سفر کے ساتھی، دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو صرف یہی نہیں کہ کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ ان کو ایسے اخلاق و رواداری سے سابقہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دلوں میں اس مسلمان کی محبت محسوس کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے متعدد علاقے اور ملک ایسے ہیں جہاں مسلمان تاجر کی حیثیت سے یا سیاح کی حیثیت سے گئے اور وہاں سے وہ پورے پورے علاقے اور ملک مسلمان ہو گئے جیسے ملیشیا، انڈونیشیا وغیرہ اور اس کے مقابلہ میں متعدد ایسے ملک اور علاقے جہاں مسلمانوں نے صرف حکومت کی اہل دعوت نے کام نہیں کیا اور نہ اپنے اخلاق و سیرت سے متاثر کیا وہاں صرف تھوڑے لوگ ہی مسلمان ہوسکے یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے خود اسلام کا مطالعہ کیا کسی نے ان پر کوشش نہیں کی، دنیا کے متعدد ملکوں میں اسلام صحیح باتوں سے متعارف کرانے کا کام ٹھیک سے انجام نہیں دیا گیا

ان میں ہندوستان کا ملک بھی ہے یہاں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں نے اپنے کو عموماً صرف حکومت و سیاست میں محدود رکھا اسیکولر طریقہ سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ یکساں برتاؤ رکھا اور ہر مذہب کے معاملہ میں رواداری رکھی، اپنی رعایا کے ساتھ مذہب کا فرق دیکھے بغیر یکساں برتاؤ کیا بلکہ بعض وقت غیر مسلموں کے ساتھ زیادہ رعایت کی، انھوں نے بہت سے مندروں کو جاگیریں دیں، اسلام کو پھیلانے کے لیے اپنی حکومتوں کو استعمال نہیں کیا، انھوں نے ہندو مذہب پر عمل کرنے سے ذرا بھی نہیں روکا، ستی تک کو جاری رہنے دیا لیکن آج ان پر ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانے اور ان کے مذہب کو زبردستی بدلنے کا الزام لگ رہا ہے یہ ان کی تاریخ سے عدم واقفیت کے نتیجہ میں ہے، یہاں مسلمانوں کا جو بھی حجم ہے وہ داعیوں اور صوفیوں کے حسن اخلاق اور حسن عمل اور اسلام کی ترقی کی فکر کرنے کا نتیجہ ہے اور جو کمی ہے اور جو دشواریاں و مصیبت ہے وہ ان کوتاہیوں کا نتیجہ ہے جو اسلام پر توجہ دینے کے سلسلہ میں کی گئیں کوتاہیوں پر اللہ کی نصرت نہیں حاصل ہوتی، اخلاص کے ساتھ کوششوں پر اللہ کی نصرت آتی ہے۔ اللہ کی مدد اسی وقت ہوتی ہے جب اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کیا جائے ورنہ پھر مسلمانوں کو ان کے عمل و جزائے عمل کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے کہ جو سیر ہے وہ سوا سیر کے سامنے دبے اور جو ایک ہاتھ والا ہے وہ دو ہاتھ والے کے سامنے شکست کھائے۔ آج مسلمانوں کو جن حالات کا سامنا ہے، وہ حالات کچھ تو اس لیے ہیں کہ انھوں نے اللہ کی نصرت کے حصول کے لیے جو ایمان و تقویٰ چاہیے جو عمل صالح چاہیے، وہ اختیار نہیں کیے اور جو حکمت عملی اور حسن تدبیر چاہیے اس میں کوتاہی کی۔ آج مسلمان کچھ کیے بغیر اور اپنے کو اللہ کی نصرت کا حقدار بنائے بغیر صرف جھوٹی توقع پر بیٹھے ہیں کہ چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لیے محض اس بات پر اللہ کی نصرت آجائے گی، صرف الفاظ کی جرأت اور جذبات کے اظہار کو کافی سمجھتے ہیں نہ وہ اپنا اور اپنے مخالفوں کا صحیح جائزہ لیتے ہیں اور نہ حالات کو سامنے رکھتے ہیں نہ ان کے مطابق حکمت عملی اختیار کرتے ہیں، وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ نعروں

اور دھمکیوں سے مخالف اور ہوشیار و تیار تو ہوسکتا ہے شکست نہیں کھا سکتا۔ ضرورت ہے مخالف کی طاقت کو سمجھنے کی اور اس کی تدابیر کا جائزہ لینے کی دونوں طرف کی کوششوں کے ممکنہ نتائج کی طرف دھیان دینے کی لیکن افسوس آج مسلمان زیادہ تر اپنے شاندار ماضی کی شعاعوں کی روشنی میں ہی زندگی گذارنا چاہتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ حالات کب اور کس طرح کروٹ لے سکتے ہیں۔

بابری مسجد شروع میں ایک مقامی اہمیت کا مسئلہ تھا یا وہ صرف چند پڑھے لکھوں کے دائرے میں محدود تھا اس کو سڑکوں پر چلنے والوں کا جذباتی مسئلہ بنا دیا گیا اور نعروں اور دھمکیوں سے حل کرنے کی کوشش کی گئی اس کا جو رد عمل ہوسکتا تھا وہ ہوا اور سڑکوں پر چلنے والوں کی اکثریت کا مسئلہ بن گیا، اقلیت کے نعروں اور دھمکیوں نے اکثریت کے نعروں اور دھمکیوں کو ابھار دیا جس نے اس کو اکثریت کا جذباتی اور قومی مسئلہ بنا دیا، پہلے وہ علمی اور قانونی رنگ رکھنے والا مسئلہ تھا اقلیت کی غیر مدبرانہ سیاست نے اکثریت کی اولین توجہ و فکرمندی کا اور اکثریت کی طاقت آزمائی سے حل کیا جانے والا مسئلہ بنا دیا وہ مسئلہ جب تک ابتدائی سطح کا تھا اور مقامی اور محدود دائرے کا تھا، مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین فضا ابھی تھی پر امن اور افہام و تفہیم کے ماحول کا مسئلہ تھا لیکن جب اس کو دھمکیوں اور ریلیوں کے ذریعہ سے حل کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ نفرت، عداوت اور فسادات کا عنوان بن گیا، اور آخر میں مسلمانوں کے لیے اس مسئلہ میں جو ایک بہت مضبوط پہلو تھا یعنی مسجد کی عمارت وہ گرا دی گئی اور اس کا یہ مضبوط پہلو ختم ہوگیا، اور مسئلہ میں مزید پیچیدگیاں پیدا کردی گئیں۔

مسلمانوں کو گذشتہ کئی سال کے دوران اپنی طرف سے اس مسئلہ کے سلسلہ میں اختیار کی ہوئی سیاست و تدابیر اور طریقہ کا جائزہ لینا چاہیے کہ ان سے کہاں اور کیا غلطی ہوئی ہے جو غلطیاں کی گئیں۔ اگر وہ اب بھی جاری رکھی گئیں تو جو برے نتائج نکلے ہیں ان سے بھی بدتر نتائج نکل سکتے ہیں۔

ہمارے مسلمان قائدین کا ایک طبقہ ابھی تک اس طرز سیاست و قیادت

سے باہر نہیں نکل سکا، جو ہندوستان کی آزادی سے قبل انگریزی اقتدار میں وہ اختیار کرتا تھا جبکہ ایک باہری طاقت کے سامنے صرف دو فرقوں کے مابین اختلاف کی صورت میں مسئلہ اٹھایا جاتا تھا اور وہ باہری طاقت اکثریت و اقلیت کے اصول کے بجائے اپنی مصلحت اور اپنے اختیار کردہ طریقہ انصاف سے فیصلہ کرتی تھی اور اس کا اجرا کرتی تھی، باہری طاقت کے چلے جانے کے بعد پیمانے بدل چکے ہیں اب آپسی مسئلے میں حالات بدل جانے پر بھی یہ طرز سیاست و قیادت نہیں بدلا گیا تو اس کا نقصان پوری قوم کو خود بھگتنا پڑ سکتا ہے اور وہ افسوسناک ہوگا، ہم اپنے مذہب اور اس کے شعائر کی حفاظت ہندو اکثریت کے ملک میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مذہبی صف آرائی پیدا کرکے نہیں کرسکتے ان کے حل کے لیے ہم کو ہندو اکثریت کے سنجیدہ طبقہ کا دل جیتنا ہوگا۔ لیکن یہ اس وقت ہوگا جب ہندوؤں و مسلمانوں کے مذہبی جذبات ابھارنے کو ذریعہ نہ بنائیں حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے مطابق دانشمندانہ حکمت عملی اختیار کریں۔

مسلمانوں کے پاس جو جامع اور جو انسانیت کا بھی خواہ مذہب ہے اور قرآن و حدیث کی جو عظیم اور رفاہی تعلیمات ہیں ان کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کا صحیح حکمت عملی اختیار کرنے میں ناکام رہنا بڑے افسوس کی بات ہے۔ ہم جب بھی خدا و رسول کی بنائی ہوئی صالح طرز زندگی سے روگردانی کرتے ہوئے دیگر مذاہب کے طریقہ زندگی کو اختیار کریں گے اور اسلامی تاریخ کے صحت مندانہ طریقہ کار و حکمت عملیوں سے گریز کرتے ہوئے محض جذباتی اور نقلی طریقہ کار و سیاست کو اختیار کریں گے تو ہرگز کامیاب نہ ہوسکیں گے ہمارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور صحابہ کرام کی زندگی کا نمونہ ہے اس میں امن و جنگ، دعوت و سیاست دونوں کے شاندار نمونے ملتے ہیں ان سے روگردانی ہی ہماری مصیبتوں کی اصل بنیاد ہے۔ ....

معذرت

مثنوی مسلک نور کی چوتھی و آخری قسط اس شمارہ میں شائع نہیں ہوسکی آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (ادارہ)

زبان وادب کی اہمیت اور اس کی ضرورت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

انجمن الاصلاح خورد، رواق سلیمانی کا افتتاحی جلسہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی صدارت میں ۲۱ ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ کو بعد نماز مغرب سلیمانیہ ہال میں منعقد ہوا، مولانا مدظلہ نے طلباء سے جو خطاب فرمایا افادۂ عام کی غرض سے پیش کیا جاتا ہے۔ تقریر عبداللہ وسیم متعلم رابع شریعہ نے ٹیپ ریکارڈر سے نقل کی ہے، جو قابل ستائش ہیں۔

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعہم باحسان ودعا بدعوتہم الی یوم الدین۔ اما بعد!

عزیز بھائیو اور فرزندان دارالعلوم!

مجھے بہت خوشی ہے کہ الاصلاح کے اس دوسرے بازو اور اس دوسرے خاندان میں آنے اور اپنے عزیزوں کو دیکھنے اور ملنے کا موقع ملا ہے، الاصلاح درحقیقت اس قوت بیانیہ کو پیدا کرنے کی جگہ ہے جو زبان وقلم کے ذریعہ سے وقت اور دین کے تقاضوں کو پورا کرسکے اور دین پر جو حملے ہو رہے ہیں ان کا جواب دے سکے اور پڑھے لوگوں کے ذہنوں میں اسلام پر وہ اعتماد بحال کرسکے، جو متزلزل ہوتا جارہا ہے، اور جس کے بہت سے اسباب ہیں اور ان اسباب پر کتابوں میں اپنے اپنے رقبہ اور اپنی اپنی وسعت کے مطابق بحث کی جاچکی ہے، کل النادی العربی کے جلسے میں میں نے کہا تھا کہ اللہ کی ذات بے نیاز ہے، غنی ہے، اس کو نہ وسائل کی ضرورت ہے نہ طاقتوں کی، خواہ جسمانی ہوں، غیبی ہوں، یا مصنوعی ہوں کسی چیز کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ قوت بیانیہ کا ایک نعمت کے طور پر تذکرہ کیا ہے اور اس کی تاثیر بیان کی ہے خلا اس نے کہا کہ

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ

یہاں تک ہی کافی تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے لحاظ سے کہ "لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ" تاکہ آپ ڈرانے والے بنیں، لیکن اس کے بعد فرماتا ہے بلسان [illegible] آپ ڈرانے والے بنیں ایسی عربی زبان میں جو واضح کرنے والی ہو دل نشین ہو اور جو دل ودماغ کو متاثر کرے اور جو یقین پیدا کرے اور پھر فرمایا إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔ یہاں عربی کہنے کی ضرورت کیا تھی، انا انزلناہ قرآنا کافی تھا لیکن چونکہ اہل عرب مخاطب ہو رہے ہیں اور عرب ہی داعی اول ہیں دین کے۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے لیے نہ صرف عربی زبان کا انتخاب کیا بلکہ عربی مبین کہا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کا جہاں ذکر کیا ہے خلقت انسانی کے موقع پر تو وہاں پر بھی اس کو فراموش نہیں کیا یہ تو کہنا بے ادبی ہے۔ بلکہ اس کو ترک نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الرَّحْمَٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْإِنسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ

اور انسان کو پیدا کیا اور آگے فرماتا ہے کہ علمہ البیان اس کو قوت بیانیہ عطا کی، اس کو سلیقہ دیا، اس بات کا کہ وہ اپنی بات کو واضح کرسکے دل نشیں کرسکے تو یہ ایک طاقت ہے اس طاقت کا استعمال جن لوگوں یا جس گروہ اور جس طبقہ اور جس ذہنیت اور مقاصد کے حامل لوگوں کے ہاتھ میں جاتا ہے، اس سے لوگ ویسا ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اگر وہ ضالین ومضلین کے ہاتھوں میں چلا جائے قوت بیانیہ ان کو ملے اور وہ اس سے فائدہ اٹھائیں تو وہ جاہلیت کی دعوت کا کام کرتے ہیں اور عقائد سے لے کر اخلاق وسلوک اور پورے انسانی تعلقات سب کو متاثر کرتے ہیں اور دنیا کی بین الاقوامی تاریخ میں ایسا واقعہ اور ایسا دور بار بار آیا ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں قلم پہونچ گیا اور قلم تو خیر ہر ایک لے سکتا ہے لیکن وہ چلنے والا اور متاثر کرنے والا قلم پہونچ گیا، اور ان کو وہ زبان ساحر اور بیان ساحر مل گیا، جس سے وہ بگاڑ پیدا کرسکیں اور ایک ایسا ادب وجود میں آیا جس نے پورے معاشرہ کو متاثر کیا، آپ یونان کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں بہت بڑا حصہ اس ادب کا تھا، جو یونان سے پیدا ہوا، لذتیت کا ادب، تشکیک کا ادب، نفس پرستی کا ادب ان کو ملاحم یا رزم نامہ اور شاہ نامہ کہتے ہیں اگر یونانی شاہ نامے پڑھیں گے جن کا عربی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے خود عیسائیوں نے کیا ہے اور کچھ تاریخ میں محفوظ بھی ہے، پھر اگر آپ قرون وسطیٰ کی تاریخ پڑھیں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے فساد کی بہت بڑی علت یہ تھی کہ قلم وزبان ان لوگوں کے قبضہ میں آگئے جن کو نہ خدا کا خوف تھا نہ انسانیت سے محبت ہی تھی اور نہ محاسبہ کا کوئی ڈر تھا، اور وہ نفس پرست تھے اور وہ فساد کے داعی تھے، ان کا ایسا اثر ہوا آپ کو معلوم ہے کہ یورپ بالکل ان کے چنگل میں گرفتار اور ان کے پھندے میں پھنس گیا، گبن کی مشہور اور شہرۂ آفاق کتاب OF EOROPEAN EMPIRE پڑھیں یا ڈریپر کی CONFLINT BETWEEN RELIGION AND SCIENCE پڑھیں، معرکۂ مذہب وسائنس، یہ میں آپ کو بتا دوں کہ میں الاصلاح کا ممنون ہوں کہ میں جب یہاں پڑھتا تھا تو تعلیم کے آخری دور میں حسب استطاعت جب یہاں تدریس کا کام میرے سپرد ہوا تو مجھے اس کتاب کی ضرورت تھی میں انگریزی جانتا تھا، انگریزی پڑھی تھی اور محنت سے میں اصل انگریزی میں کتاب پڑھ سکتا تھا۔ CONFLINT BETWEEN RELIGION AND SCIENCE لیکن مجھے یہاں اس کا ترجمہ مل گیا، مولانا ظفر علی خاں کا شاہکار ترجمہ ہے معرکۂ مذہب وسائنس، یہ مجھے الاصلاح سے ملا اور ایسے ہی HISTORY OF EOROPEAN MORALS تاریخ اخلاق یورپ تھی یہ بھی میرے لیے کام کی چیز تھی اور ان دونوں کتابوں سے میں نے اپنی کتاب ماذا خسر العالم میں فائدہ اٹھایا، اس لیے کہ ان دونوں کتابوں کے ترجمے ہو گئے تھے، اور بڑے لائق مترجمین کے قلم سے جو سند کا درجہ رکھتے تھے، ایک مولانا ظفر علی خاں صاحب کے قلم سے ہوا تھا ایک مولانا عبدالماجد دریابادی کے قلم سے، میں الاصلاح کا ممنون ہوں، احسان مند ہوں، اور میں چاہتا ہوں کہ الاصلاح میں صلاحیت باقی رہے کہ اس سے لوگ اپنی تصنیف وتالیف میں اور تحقیقات میں کام لے سکیں، میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ بھی کہہ رہا ہوں کہ آپ کو اپنے ذخیرۂ کتب پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہیے کہ کون سی کتابیں ابھی حال میں شائع ہوئی ہیں جو ہمارے طلبہ ہی نہیں بلکہ اساتذہ کی نظر سے گزرنی چاہئیں اور میں اس کا اعتراف کرتا ہوں اور میں نے خود اپنے متعلق شہادت دی ہے کہ اساتذہ بھی اس سے فائدہ اٹھاتے تھے، الاصلاح کوئی تفریح کی چیز نہیں ہے، اس لیے نہیں ہے کہ وہاں جاکر اخبارات پڑھے جائیں، اخبارات تو آپ ہر جگہ پڑھ سکتے ہیں، کون سی جگہ ہے جہاں اخبار نہیں آتا، یا آپ رسائل پڑھنے آئیں، سطحی قسم کے رسائل پڑھیں، جو ہندوستان کے مختلف صوبوں سے نکلتے ہیں، آج کل تو ہر مدرسہ سے ہر ادارہ سے ہر انجمن سے ہر شہر سے رسالے نکلتے ہیں۔ ایسی چیزیں ہونی چاہئیں، الاصلاح کے دار الکتب میں جن سے ذہن بنے اور جن سے با مقصد مصنفین اور داعیوں کو اسلحہ ملے جن سے وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو مطمئن کرسکیں، یہ الاصلاح کی بہت بڑی افادیت اور بہت بڑی خدمت ہوگی، اور اس وقت ضمناً میں کہہ رہا ہوں کہ اس کے لیے میں ایک ذمہ دار اور ناظم ندوۃ العلماء کی حیثیت سے یہ صفائی سے کہتا ہوں کہ اس میں اہتمام ونظامت دونوں آپ کی مدد کرنے اور آپ کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے تیار ہیں آپ نئی کتابوں کی فہرست تیار کریں، اچھے اہل نظر کے مشورہ سے اور سنجیدہ اور فکر انگیز اور مواد فراہم کرنے اور رہنمائی کرنے والی کتابوں کی، اور اس کے بعد آپ کا بجٹ اس کے لیے کافی نہ ہو تو میں اعلان کرتا ہوں کہ دارالعلوم اس میں مدد کرے گا، تو اس وقت یہ قوت بیانیہ خواہ وہ تحریری ہو یا تقریری ہو اس وقت اور زیادہ مسلح ہوگئی ہے اور مسلح ہی نہیں بلکہ جیسا کہ ہمارے عزیز الاصلاح کے غالباً ناظم ہیں انھوں نے جو مضمون پڑھا اس میں انھوں نے کہا کہ یہ بات میں نے بہت دن پہلے کہی تھی کہ صدیوں کے بعد یہ بات پیش آئی ہے کہ یہودی دماغ اور عیسائی وسائل وطاقت دونوں متحد ہوگئے ہیں حالانکہ دنیا کے جن دو مذہبوں میں زیادہ سے زیادہ تضاد ہوسکتا ہے وہ یہودیت اور عیسائیت ہیں، عیسائیت کی بنیاد اس پر ہے کہ مسیح ابن اللہ ہیں اور یہودیت کی

بنیاد اس پر ہے کہ وہ حضرت مسیح پر تہمت لگاتے ہیں، نسبی تہمت لگاتے ہیں، جو کوئی عیسائی برداشت نہیں کرسکتا، لیکن اس کو عیسائیوں نے فراموش کردیا یہاں تک کہ پاپائے اعظم نے یہ قصور معاف کردیا یہودیوں کا جو عیسیٰ پر اعتراض کرتے تھے تہمت لگاتے تھے، تو اس وقت ایک بڑی گہری سازش ہے دنیا میں اور اس نے اس وقت عنوان اختیار کیا ہے FUNDAMENTALISM کا یعنی روس کے زوال کے بعد امریکہ نے یہ سمجھ لیا اور برطانیہ اور عیسائی ویہودی بڑی طاقتوں نے کہ اگر اب خطرہ ہوسکتا ہے اور کوئی حریف میدان میں آسکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ اس لیے بڑی ہوشیاری سے اور اس میں یقیناً یہودی ...... دماغ کام کر رہا ہے، انھوں نے اس کو عنوان دیا ہے FUNDAMENTALIST کا یعنی اصول پرست، گویا قدامت پرست قدامت پرست اور حق پرست یا یوں کہیے کہ جو قدیم ذخیرہ ہے اس کے پرستار اس کی اصطلاح FUNDAMENTALIST کی جگہ پر کی اصطلاح استعمال کی جارہی ہے اور اس کا اس قدر پروپیگنڈا ہے اور اس زور شور اور بلند آہنگی کے ساتھ اور ایسے مدلل بلکہ منظم طریقہ پر یہ بات کہی جارہی ہے کہ کسی آدمی کے لیے مشکل ہو گیا ہے کہ وہ اقرار کرے کہ میں FUNDAMENTALIST ہوں حالانکہ ایک مذہبی کے لیے FUNDAMENTALIST ہونا ضروری ہے مذہبی کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ منصوصات قطعی پر نصوص دین پر، آسمانی صحیفوں پر اور کتاب اللہ پر...... عیسائی اگر ہو تو انجیل اور اگر مسلمان ہے تو اللہ کے آخری کلام قرآن مجید کے بیانات پر اس کے احکام پر اس کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں، اور اس وقت یہ FUNDAMENTALIST کی اصطلاح اتنی عام ہوگئی ہے کہ بہت ہی تاسف وندامت کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ

> عیسائیت کی بنیاد اس پر ہے کہ مسیح ابن اللہ ہیں اور یہودیت کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ پر تہمت لگاتے ہیں، نسبی تہمت لگاتے ہیں جو کوئی عیسائی برداشت نہیں کرسکتا، لیکن اس کو عیسائیوں نے فراموش کردیا

ممالک عربیہ میں بھی یہ اصطلاح پہونچا دی گئی ہے، ابھی ہمارے پاس ایک خط آیا شاید ایک ہفتہ یا دو ہفتہ ہوا ہو میں نام نہیں لوں گا، اور ایک ایسی جگہ سے آیا کہ جہاں کے حاکم وسلطان ہم سے ذاتی طور پر واقف ہیں احترام کرتے ہیں ہمارا ان کا لندن میں ساتھ رہا ہے اور انھوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ اپنے منطقہ میں جس جگہ کے وہ امیر ہیں ایک سڑک کا نام ہمارے نام پر رکھا تھا شارع ابی الحسن الندوی آنا وہ خیال کرتے ہیں اور ایک بڑے بین الاقوامی ادارے میں وہ ہمارے ساتھ رہے ہیں ان کے عزیز قریب کیا بلکہ ان کے ترجمان کا خط آیا ہمارے نام کہ متشددین کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، ہم چند مفکروں اور چند علماء کے نام یہ سوال نامہ بھیج رہے ہیں کہ متشددین کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں جس کو عربی اصطلاح میں متطرفین کہتے ہیں، نہایت پسند FUNDAMENTALIST کا ترجمہ اصلاً مبدئین ہے، جو مبادی پر یقین رکھتے ہیں۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا کا سارا فساد اس لیے ہے کہ کسی اصول پر یا کسی بنیاد پر یقین نہیں ہے خالص نفس پرستی ہے اور خالص فائدہ اندوزی اور اپنے نفس کی تسکین کا سامان فراہم کرنا ہے خواہ تمام دنیا کے مسلّم اخلاقی اصول کے خلاف ہو، چاہے اس کا پوری انسانیت پورے معاشرۂ انسانی اور پورے عہد پر کچھ اثر پڑے لیکن اپنا کام نکالنا ہے یہ معنی تھے بے اصولی کے اور اس بے اصولی نے آج دنیا کو اس جگہ پر پہونچا دیا ہے کہ کسی وقت قیامت آسکتی ہے، وہ قیامت تو اللہ تعالیٰ لاسکتا ہے، اس قیامت کا ذکر نہیں، ایک دیسی قیامت یعنی قیامت صغریٰ ہر وقت ہوسکتی ہے، پہلی جنگ عظیم بھی ایک طرح کی قیامت صغریٰ تھی، دوسری جنگ عظیم بھی، ایسی جنگیں ہوسکتی ہیں اور اس سے بڑے پیمانے پر ہوسکتی ہیں وہ صرف برطانیہ اور جرمنی کی جنگ تھی اور اس میں کچھ اور طاقتیں شامل ہوگئی تھیں اور دوسری جنگ بھی ایسی ہی تھی لیکن اب جو جنگ ہوگی وہ بہت خطرناک ہوگی، اس وقت ایٹمی ہتھیار بھی نہیں تھے اور اب ایٹمی ہتھیار بھی ہیں، اور دوسرے یہ کہ اس جنگ کا رقبہ اس جنگ سے کہیں زیادہ وسیع ہوگا اور یہ سب نتیجہ ہوگا بے اصولی اور نفس پرستی اور مطلق آزادی کا اور ظاہر بینی کا لیکن ان کو شرم نہیں آتی انھوں نے یہ اصطلاح ایجاد کی حالانکہ سارا فساد یہی ہے:۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

یہ کیا ہے اسکی اصل بنیاد آپ دیکھیں اور قرآن مجید کے پورے سیاق وسباق پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بما کسبت ایدی الناس میں یہی بے اصولی اور نفس پرستی اور مکمل آزادی اور ہر طرح کی چھوٹ اور نفس کی تسکین کا ہر قیمت پر سامان کرلینا ہے بطرت معیشتہا کہ اللہ تعالیٰ جس کو فرماتا ہے، یہ سب FUNDAMENTALIST کے منکروں کے خیالات ہیں اور ان کے مقاصد اور انکی دعوت میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں جس کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بما کسبت ایدی الناس خیال کیجیے قرآن مجید کی بلاغت کا کہ ایدی الناس پر اسکی نسبت کی ہے اسکی نسبت کسی اور چیز پر نہیں بما کسبت ایدی الناس ان لوگوں کے ہاتھوں نے کیا جو کسی اصول پر ایمان نہیں رکھتے تھے، کسی بنیاد پر ان کا اتفاق نہیں تھا، کوئی حدود ان کے لئے مقرر نہیں تھے کہ یہاں سے یہاں تک جائیں گے، اور اسکے بعد آگے نہیں جائیں گے ....

.... تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ وقت بڑا نازک اور خطرناک ہے اس میں تبادلۂ خیال کی صلاحیت، تحریری صلاحیت اور لسانی وبیانی صلاحیت، خطابت کی صلاحیت اور تقریر کی صلاحیت ان سب چیزوں کی ضرورت ہے، اور اب وہ صرف اسلئے نہیں ہے کہ جیسے کہ آج سے پچاس برس پہلے تھا کہ آپ کسی میلاد اور کسی سیرت کے جلسے میں تقریر کردیں، یا کسی انجمن کے پلیٹ فارم سے کوئی تقریر کردیں، یا اپنے مدرسہ کا تعارف کرادیں، یا کوئی نیک مقصد کے لئے جلسہ ہو اور اس میں آپ تقریر کردیں، اب تو ایک عالمی سازش ہے، بڑے وسیع اور نہایت گہرے پیمانے پر اور اس کے مضرات بہت دوررس اور بہت دقیق اور بہت عمیق ہیں، یہ اتنی بڑی سازش کم سے کم میرے محدود مطالعہ میں جس کے پیچھے اتنا پروپیگنڈہ ہو اور اتنے ذرائع ابلاغ ہوں جسے آج میڈیا کہتے ہیں، ذرائع ابلاغ سب کے سب ریڈیو، ٹیلی ویژن، پریس اور سیمینارس جلسوں کے دورے اور آنے جانے والے وفود یہ سب کے سب اس نکتہ پر آکر متحد ہوگئے ہیں کہ دنیا میں (FUNDAMENTALISM) کا مقابلہ کیا جائے یعنی کوئی اصول ہی باقی نہ رہے، حدود بھی باقی نہ رہیں وہ سب کرسکتے ہوں جس سے دل خوش ہوجائے۔

ایران کا ایک فلسفہ لذتیت جس کا نام آتا ہے، لذتیت کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز میں مزہ آئے وہ کرنا چاہیے، آج کا یورپ اسی انداز سے سوچ رہا ہے، پورے یورپ کا دماغ گویا لذتی بن گیا ہے جس میں مزہ آئے جس میں فائدہ ہو البتہ لذت کو ذرا وسیع کردیا ہے انھوں نے کہ وہ لذت بطن یا لذت لسان نہ ہو بلکہ وہ لذت ذہن ہو، اس میں لذت سیاسی بھی شامل ہو اور لذت حسی بھی شامل ہو اور وہ جو ایک فاتحانہ خوشی ہوتی ہے اور فاتحانہ مسرت ہوتی ہے وہ بھی اس میں شامل ہو تو لذت کا انھوں نے دائرہ اور وسیع کردیا ہے، اس سے وہ اور خطرناک بن گئی ہے، یونان کا جو لذتی اسکول تھا وہ وہاں تک جا ہی نہیں سکا تھا، اسکی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ لیکن یورپ کا لذتی اسکول بہت ہی آگے پہونچ گیا ہے، یہ اس وقت گہری سازش ہے اس سے بڑھکر کوئی سازش نہیں، چونکہ ہمارا آنا جانا ہوتا ہے اور ہمارے روابط ہیں ثقافی اور صحافی اور تحریری چنانچہ عرب ممالک میں بھی خلیج میں بھی یہ بات داخل ہوگئی ہے کہ متشددین کا مقابلہ کرنا چاہیے متشددین کے معنی وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ معاشرہ اسلام کے احکام کے مطابق ہونا چاہیے اس میں خوف خدا خوف آخرت ہو اور اسے محاسبہ ہونے کا خیال ہو اور اس میں دوسروں کے اخلاق اور حقوق کا لحاظ ہو اور جو لوگ احکام شریعت کو جاری کرنا چاہتے ہیں، حدود شرعیہ تو خیر بڑی چیز ہیں، تعزیرات بڑی چیز ہیں مثلاً رجم ہے یا جلد ہے یہ چیزیں تو بڑی ہیں اور ان کی نوبت نہیں آتی لیکن جو روزمرہ کے حالات ہیں اور بہت قابل عمل حدود کے اندر جو احکام شرعیہ کا اجراء چاہتے ہیں ان سے بھی حکومتیں ڈر رہی ہیں اور وہاں سے نکلنے والے اخبارات میں اور خطوط میں یہ بات نظر آتی ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ابھی ایک خط آیا ہے اور ہمیں اس کا جواب دینا ہے کہ آپ متشددین کے بارے میں کیا کہتے ہیں اور خط کا انداز بتا رہا ہے کہ وہ متشددین کے خلاف لکھوانا چاہ رہے ہیں، وہ ایک فتویٰ چاہتے ہیں جسکی وہ اشاعت کریں

کہ شیخ ابی الحسن علی الندوی جو معروف ہیں، مصنف ہیں، ایسے ہیں ویسے ہیں اور انھوں نے نام لکھے ہیں بہت ممتاز مفکرین اور عرب فضلاء کے کہ ان کے پاس بھی بھیجا گیا اور آپ کو بھی بھیجا جا رہا ہے کہ آپ متشددین کے بارے میں اپنا خیال ظاہر فرمائیں۔

اب بالکل (FUNDAMENTALIST) کے بارے میں امریکہ اور برطانیہ اس طرح سوچ رہا ہے اور پروپیگنڈہ کر رہا ہے، ایک صدائے بازگشت آ رہی ہے ان ملکوں سے، آپ کو ان سب خطرات کو سامنے رکھنا چاہئیے، اب معاملہ صرف اتنا نہیں ہے کہ سینما مت جاؤ بہت بری بات ہے، اسکی برائی اپنی جگہ پر مسلّم ہے جو شناعت ہے وہ شناعت ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اب صرف یہ نہیں کہ کھیل کود میں زیادہ مت پڑو، فضول خرچی مت کرو، اب یہ اصلاح معاشرہ کا کام بہت اہم ہے، میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک رکن کی حیثیت سے اس کی پوری وکالت کرتا ہوں، یہ کام آپکو کرنا ہے اپنی اپنی جگہوں پر، اصلاح معاشرہ کی دعوت دینا ہے، مکاتب و مدارس کو جاری کرنے کی آپ کو دعوت دینا ہے، مسجد مسجد مکتب قائم ہو اور کچھ گھروں پر بھی اس کا انتظام ہو جیسے پہلے ہوا کرتا تھا، کئی پڑھے لکھے آدمی بیٹھیں اور وہاں کے بچے آئیں اور اردو لکھنا پڑھنا سیکھیں، قرآن مجید پڑھ سکیں، اور جو دین کی بنیادی باتیں ہیں مثلاً کلمہ اس کو صحیح یاد ہو اور وہ شرک و توحید کا فرق سمجھتے ہوں، کفر و ایمان کا فرق سمجھتے ہوں اور سیرت نبوی سے ضروری حد تک واقف ہوں، یہ سب کام آپ کو کرنا ہے، لیکن اس سے بڑی ایک گہری سازش اس وقت ہے جس کے لئے بڑے پیمانے پر آپ کو عملی تیاری کرنی ہے وہ ہے عدم اصول پرستی کے خلاف جہاد، اس وقت امریکہ نے خاص طور پر جو مہم چلائی ہے اور ایک بہت بڑی سازش اور ایک بہت بڑا منصوبہ ہے اسمیں یہودی دماغ کام کر رہا ہے اور عیسائی وسائل اور عیسائی طاقتیں اس کے پیچھے ہیں وہ یہ ہے کہ اس وقت سارے عالم میں عقیدہ کو، ایمان کو، تعلق باللہ کو، ایک دین کی پابندی کو اور آخرت کے خیال کو متزلزل کریں اور یہ کہہ کر کہ یہ سب دقیانوسی اور پرانی باتیں ہیں،

فرسودہ باتیں کہتے ہیں تو اس کے لئے (FUNDAMENTALISM) وغیرہ کے نام رکھتے ہیں، اس کے لئے آپ کو تیاری کرنا ہے، میں الاصلاح کو محض تقریر و تحریر کا ایک شعبہ نہیں سمجھتا، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ندوۃ العلماء کے ایک مقصد کے پورا کرنے کا یہ ایک ذریعہ ہے اور وہ ہے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ کو مطمئن کرنا، اسلام پر اعتماد دوبارہ واپس لانا اور خاص طور پر ترقی یافتہ جو اسلامی ممالک ہیں ان میں اسلام پر اعتماد متزلزل ہو چکا ہے، الجزائر میں کیا ہو رہا ہے؟ الجزائر میں خالص دینداروں اور حکومت کے نمائندوں کے درمیان جنگ ہے، نہ اسرائیل کی ان کے خلاف جنگ ہے نہ اسرائیل کا ان کے خلاف مورچہ ہے اور نہ کسی یورپین طاقت کی ان کے خلاف جنگ ہے اور نہ ملک میں بگاڑ و فساد پیدا کرنے والوں کے درمیان، خالص دیندار، دین پسند، میں دین پرست نہیں کہتا، دین پسند طبقے اور جو چاہتے ہیں کہ کلمۃ اللّٰہ ھی العلیا اس پر عمل ہو، یہاں اللّٰہ کا نام بلند ہو، یہاں اللّٰہ کا نام سب سے اونچا ہو، اللّٰہ کا حکم سب سے زیادہ قابل اطاعت سمجھا جاتا ہو، یہاں فرائض کی پابندی ہو اور محارم سے محرمات سے اجتناب ہو، یہاں مسجدیں آباد ہوں، اس کا ذکر کرنا بھی الجزائر میں ایک بڑا جرم ہے، برابر خبریں آتی رہتی ہیں کہ دین پسند لوگوں میں سے اتنے آدمی شہید ہوئے، لیبیا میں بھی ہو چکا ہے، اور اب بھی لیبیا کا حال وہی ہے، اور شام تو بالکل غیر مسلم عنصر کے قبضہ میں ہے وہاں کے در روزی حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہیں کسی طور پر ان پر مسلمانوں کی تعریف صادق نہیں آتی اس طور پر یہ فتنہ مشرق کی طرف بڑھ رہا ہے اور ہمیں اندیشہ ہے کہ پاکستان بھی اس کے لپیٹ میں نہ آ جائے ابھی جو تھوڑی سی تبدیلی ہوئی ہے، نواز شریف کو جو ہٹایا گیا ہے اس میں بھی امریکہ کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے اور ضیاء الحق شہید مرحوم کی شہادت اور ملک فیصل کی شہادت میں بھی امریکہ کا ہاتھ تھا۔ اور وہ اس بنا پر تھا کہ کوئی ایسا عنصر یا ایسا فرد غالب نہ ہونے پائے، حاوی نہ ہونے پائے، اس ملک پر اس ملک کے مستقبل کی تعمیر میں وہ آزاد نہ ہو، جو اصول پسند ہو اور عقیدہ کا پختہ ہو اور اسلام کی حقانیت پر پورا الیقین رکھتا

ہو اور ضروری حد تک وہ فرائض کا بھی پابند ہو، یہ ایک سازش چلی آ رہی ہے فکری طور پر بھی اور سیاسی و انتظامی طور پر بھی، انقلابی طور پر بھی، ہمیں اسی طور پر اس کا مقابلہ کرنا اور تعلیم یافتہ طبقہ کو مطمئن کرنا اور اسلام کی ابدیت پر اس کا یقین واپس لانا، دوبارہ یقین پیدا کرنا ہے، اسلام ہر زمانے کا ساتھ دے سکتا ہے، قیادت کر سکتا ہے۔

جدید نصاب تعلیم اور یورپ سے جو طریقہ تعلیم آیا ہے، وہاں سے امپورٹ کیا گیا ہے اس میں یہ خاصیت ہے کہ وہ اسلام پر اعتماد کو متزلزل کر دے کہ اسلام نے بیشک ایک زمانہ میں اچھا کام کیا تھا اچھا پارٹ ادا کیا تھا لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے اس وقت وہ بہت ہی غیر ترقی یافتہ زمانہ تھا، خدا بھلا کرے ان لوگوں کا مثلاً عورت کے کچھ حقوق مل گئے، دختر کشی بند ہو گئی، اور شراب اتنی نہیں پی جانے لگی، لیکن اب اسلام اس زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا، یہ ہے اصل میں فتنہ کہ اسلام اس زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا، آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اسلام اس زمانہ کا ساتھ دینا تو الگ رہا یہ تو اس تنزل کے بعد اس زمانہ کو ہلاکت سے بچا سکتا ہے، اسلام اس زمانہ کو راہ پر لگا سکتا ہے، اسلام اس زمانہ کو مبارک بنا سکتا ہے اور اسلام اس زمانہ کو رہنے کا سلیقہ سکھا سکتا ہے اس کے لئے آپ کو تیاری کرنی ہے، بہتر ہوگا کہ ہمارے بعض اساتذہ اس میں کتابوں کا انتخاب کریں ایک زمانہ میں ہم نے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی سے مشورہ کرکے ایک فہرست بنائی تھی کہ فلاں درجے سے کہ فلاں درجہ کے طلباء یہ کتابیں پڑھیں اور فلاں درجے سے فلاں درجہ تک کے طلباء یہ کتابیں پڑھیں اور ہم نے یہ بھی انتظام کیا تھا کہ الاصلاح میں ایک رکن کی ڈیوٹی مقرر کی تھی کہ آپ یہاں بیٹھا کریں، الاصلاح کے کھلنے کا جو وقت ہے اس میں ایک گھنٹہ آپ وقت دیں کہ طلباء کو معلوم ہو کہ ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ کون سی کتابیں پڑھنی ہیں، طلباء ان کے پاس جائیں اور کہیں کہ ہم اس درجہ کے طالب علم ہیں بتائیے ہم پہلے کیا پڑھیں، بتائیے ہم تاریخ کا مطالعہ کہاں سے شروع کریں، بتائیے ہم سیرت میں اس وقت کون سی کتابیں پڑھیں، اس منزل پر کون سی کتاب مناسب ہوگی، یہ

وہ انتظامات ہم لوگوں نے کئے تھے، ہم سمجھتے ہیں کہ اسکی طرف بھی توجہ کرنی چاہئیے میں نے اتنی طوالت اور اتنی تفصیل کے ساتھ بات کر دی، حالانکہ میں اس حال میں نہیں تھا، اور میں آپ سے معذرت کرنے والا تھا، کہ مجھے بعض ضرورتیں ہیں ہمارے معزز مہمان بھی آئے ہوئے ہیں، ذہن دوسری لائن پر کام کر رہا ہے، لیکن یہ آپ کی محبت ہے آپ کا خلوص ہے، یا اللّٰہ تعالٰی جو آپ سے کام لینا چاہتا ہے۔ اسکی اہمیت اور قدر و قیمت ہے کہ میں نے اتنی تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا۔ بس آخر میں یہ کہنا ہے کہ انجمن الاصلاح کو محض آپ تحریر و تقریر کی مشق، مضمون نگاری سیکھنے کی جگہ نہ سمجھیں بلکہ یہاں سے آپ کو وہ ذخیرہ لینا ہے، وہ مواد لینا ہے کہ جس سے آپ یہاں سے نکلنے کے بعد جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو انٹلیکچول کلاس کہلاتا ہے، ذہین طبقہ جو ہے آپ اس کو مطمئن کر سکیں اس میں اسلام کی ضرورت کا احساس پیدا کر سکیں اور اسلام کے بارے میں اعتماد واپس لا سکیں، یہاں سے کر انڈونیشیا اور مغرب اقصٰی اور مراکش تک ان سب جگہوں پر اس وقت جو ڈر ہے وہ یہ کہ امریکہ اور یہودیوں اور عیسائیوں کی سازش سے ان سب جگہوں تک جراثیم پہونچ گئے ہیں کہ اسلام پر اعتماد متزلزل ہو جائے اور اسلام پر عمل کرنے کو وہ فرسودگی اور رجعت پسندی اور (FUNDAMENTALISM) سے تعبیر کرنے لگیں اور ایک پڑھے لکھے آدمی کو شرم آنے لگے کہ ہم حاشا و کلّا (FUNDAMENTALIST) نہیں ہیں، آپ کو وہ کام کرنا ہے کہ لوگ سینہ تان کر اور آنکھیں ملا کر یہ کہیں کہ ہاں ہم ——— (FUNDAMENTALIST) ہیں اور ہمارے نزدیک (FUNDAMENTALIST) ہی دنیا کو بچا سکتا ہے اور ساری خرابی اور سارا فساد (FUNDAMENTALISM) نہ ہونے کی وجہ سے ہے، کوئی اصول نہیں، کوئی معیار نہیں، کوئی حدود نہیں، صرف نفس پرستی ہے، صرف خواہش پرستی ہے، صرف اقتدار پرستی ہے، صرف سیاست پرستی ہے، اس لئے آپکو بھی تیاری کرنی ہے اور دوسروں کو بھی تیار کرنا ہے، بس میں انھیں الفاظ پر ختم کرتا ہوں اور آپکو داد دیتا ہوں اور آپکو اس بات پر مبارکباد دیتا ہوں کہ آپکی اس محفل میں چند مبارک و محترم ہستیاں موجود ہیں

باقی صفحہ ٢ پر

رشتہ داروں کے حقوق

رشتوں کے جوڑنے کا حکم و ثواب اور ان کے توڑنے پر خدا کی ناراضگی اور غضب

رشتہ داروں سے وہ سب رشتہ دار مراد ہیں جن سے کسی بھی قسم کی قرابت ہو خواہ وہ محرم ہوں یا نہ ہوں، اللّٰہ جل شانہ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے فرمایا:

«وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ۔» (النساء ـ ١)	اور اللّٰہ سے تقوٰی اختیار کرو جس کے واسطہ سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے باب میں بھی (تقوٰی اختیار کرو)

یعنی صلہ رحمی کرو، اور قطع رحمی سے ڈرایا ہے فرمایا:

«فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ» (محمد ـ ٢٢)	اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم لوگ دنیا میں فساد مچادو گے اور آپس میں قطع قرابت کر لو گے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: جو شخص اللّٰہ تعالٰی اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کا اکرام کرنا چاہیئے اور جو شخص اللّٰہ جل شانہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے صلہ رحمی کرنا چاہیئے اور جو شخص اللّٰہ تعالٰی اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے اچھی اور خیر کی بات کہنا چاہیئے یا خاموش رہے

حضرت انس رضی اللّٰہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: اللّٰہ تعالٰی صدقہ و صلہ رحمی کے ذریعہ عمر دراز فرماتے اور بری موت سے بچاتے ہیں اور تکالیف و پریشانیاں دور کر دیتے ہیں

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللّٰہ جل شانہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ پھر جب اس سے فارغ ہوئے تو رحم (رشتہ داری) کھڑی ہوئی اس نے کہا: یہ قطع رحمی سے پناہ مانگنے والے کا مقام ہے، فرمایا: جی ہاں! کیا تم اس سے خوش نہیں ہو گی کہ جو تمہیں جوڑے میں بھی اسے جوڑے رکھوں اور جو تمہارے ساتھ قطع رحمی کرے میں بھی اس سے قطع تعلق کر لوں؟ اس نے کہا: جی ہاں! فرمایا: میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں، پھر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو:

«فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓی اَبْصَارَهُمْ» (محمد ـ ٢٢ و ٢٣)	اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم لوگ دنیا میں فساد مچادو گے اور آپس میں قطع قرابت کر لو گے یہی لوگ تو ہیں جن پر اللّٰہ نے لعنت کی ہے سو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

حضرت عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں ہے جو مکافات کرنے والا ہو بلکہ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جس کے ساتھ اگر تم قطع رحمی کرو تو وہ صلہ رحمی کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللّٰہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا: رحم (رشتہ داری) عرش سے معلق (چمٹی) ہوئی ہے کہتی ہے: جس نے میرے ساتھ صلہ رحمی کی اللّٰہ تعالٰی اسے جوڑے رکھیں گے اور جس نے مجھے کاٹ دیا اللّٰہ تعالٰی اسے کاٹ ڈالیں گے۔

صلہ رحمی کی برکت

صلہ رحمی سے رزق اور عمر میں برکت ہوتی ہے، حضرت انس رضی اللّٰہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ اس کے رزق کو بڑھا دیا جائے اور عمر میں اضافہ ہو اسے صلہ رحمی کرنا چاہیئے۔ حضرت علی کرم اللّٰہ وجہہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس بات سے خوشی ہوتی ہو کہ اس کی عمر بڑھا دی جائے اور رزق میں وسعت کر دی جائے اور بری موت اس سے دور کر دی جائے تو اسے اللّٰہ تعالٰی سے ڈرنا اور صلہ رحمی کرنا چاہیئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللّٰہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: جس شخص کو اس سے خوشی ہوتی ہو کہ اس کے رزق کو بڑھا دیا جائے اور عمر میں اضافہ کر دیا جائے تو اسے صلہ رحمی کرنا چاہیئے۔

حضرت ابو ایوب رضی اللّٰہ عنہ سے مروی ہے کہ سفر میں ایک بدو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے سامنے آئے اور آپ کی اونٹنی کی لگام یا مہار پکڑ کر کہا: اے اللّٰہ کے رسول! یا یہ کہا: اے محمد! یہ بتلایئے جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کرنے والی چیز کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ پھر صحابہ کو دیکھا پھر فرمایا: اس کو توفیق دی گئی یا اسے ہدایت دی گئی، آپ نے دریافت فرمایا: تم نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے پھر وہ سوال دہرایا، نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللّٰہ تعالٰی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ نماز قائم کرو، زکاۃ دو اور صلہ رحمی کرو، اونٹنی کو چھوڑ دو۔ ایک روایت میں ہے: اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو، پھر جب وہ صاحب واپس ہوئے تو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر انہوں نے ان چیزوں پر عمل کیا جن کا میں نے حکم دیا ہے تو یہ جنت میں داخل ہوں گے

حضرت ابو امامہ رضی اللّٰہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھے کام کرنا بری موت سے بچاتا ہے اور چپکے سے صدقہ خیرات کرنا اللّٰہ جل شانہ کے غضب کو ختم کرتا ہے اور صلہ رحمی عمر کو بڑھاتی ہے۔

لوگوں میں سب سے بہتر شخص

نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوں۔ حضرت درۃ بنت ابی لہب رضی اللّٰہ عنہا نے فرمایا: میں نے عرض کیا: اے اللّٰہ کے رسول! لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ فرمایا: جو رب ذو الجلال سے بہت ڈرنے والا، خوب صلہ رحمی کرنے والا، بہت زیادہ اچھائی کا حکم دینے اور خوب برائی سے روکنے والا ہو۔

صلہ رحمی کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں وہ میرے ساتھ قطع رحمی کرتے، میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوں وہ میرے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ بردباری سے پیش آتا ہوں وہ میرے ساتھ جہالت کا برتاؤ کرتے ہیں، فرمایا: اگر بات یہی ہے جیسا کہ تم نے کہا تو پھر گویا تم ان کے منہ میں گرم ریت ڈال رہے ہو اور جب تک تم اس کیفیت پر برقرار رہوگے اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک فرشتہ تمہاری مدد کرتا رہے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے فرمایا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین باتیں پائی جائیں گی اللہ تعالےٰ اس کا حساب آسان کردیں گے اور اپنی رحمت سے اسے جنت میں داخل فرمائیں گے، عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ باتیں کیا ہیں؟ فرمایا: جو تمہیں نہ دے تم اسے دو، اور جو قطع رحمی کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو، اور جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کردو، تم اگر ایسا کرلوگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل فرمادیں گے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں دنیا و آخرت کے اعلیٰ ترین اخلاق نہ بتلاؤں؟ یہ کہ جو تمہارے ساتھ قطع رحمی کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو، جو تمہیں محروم کردے تم اسے دو، اور جو تم پر ظلم کرے تم اس سے درگذر کردو۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ فضیلت و ثواب والا کام یہ ہے کہ تم اس شخص کے ساتھ صلہ رحمی کرو جو تمہارے ساتھ قطع رحمی کرے اور اسے دو جو تمہیں محروم رکھے اور اس سے درگذر کردو جو تمہیں بُرا بھلا کہے

افضل ترین صدقہ

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعلیٰ ترین صدقہ دشمن رشتہ دار کو دینا ہے یعنی بہترین صدقہ یہ ہے کہ آپ کسی ایسے رشتہ دار کو دیں جو آپ سے اپنے دل میں بغض و حسد اور عداوت رکھتا ہو، یہی مراد ہے اس فرمان نبوی کی بھی کہ تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو جو تمہارے ساتھ قطع رحمی کرتا ہو۔

قطع رحمی کی نحوست

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: بغاوت اور قطع رحمی سے زیادہ کوئی گناہ اس قابل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی سزا کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی ایسا کرنے والے کو بہت جلد عذاب دیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: اچھائیوں اور نیکیوں میں سب سے جلدی جس اچھائی کا [illegible] ہے وہ اطاعت، حسن سلوک اور صلہ رحمی ہے اور برائیوں [illegible] اور قطع رحمی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ بندوں کے اعمال ہر جمعرات اور جمعہ کو پیش کئے جاتے ہیں اور قطع رحمی کرنے والے شخص کے عمل کو قبول نہیں کیا جاتا

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا، قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: کوئی بھی قطع رحمی کرنے والا آج ہمارے ساتھ نہ بیٹھے، ایک نوجوان کھڑے ہوئے اور اپنی ایک خالہ کے پاس آئے جن سے کسی بات پر قطع تعلق تھا، ان سے معافی مانگی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو معاف کردیا، پھر وہ صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالےٰ کی رحمت ایسی قوم پر نازل نہیں ہوتی جس میں قطع رحمی کرنے والا شخص موجود ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ فرشتے ایسی قوم پر نازل نہیں ہوتے جس میں قطع رحمی کرنے والا ہو

نسب کا پہچاننا اور اس کا فائدہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی نسب و رشتہ داروں کو پہچانو تاکہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرسکو، اس لئے کہ صلہ رحمی اہل و عیال میں محبت پیدا کرنے، مال کے بڑھانے اور عمر بڑھانے کا ذریعہ بنتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: اپنے رشتہ داروں کو پہچانو تاکہ تمہیں اپنے حقیقی رشتہ داروں کا پتہ چلے اور تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کرسکو۔

لکھا ہے کہ اپنی نسب اور رشتہ داروں کے پہچاننے کا اگر اس کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہ ہوتا کہ اس کے ذریعے انسان دشمنوں کے حملے و تعدی اور ہم پلہ لوگوں کی منازعت و مخاصمت سے بچتا ہے تب بھی اس کا جاننا اور سیکھنا بڑی عقلمندی و دانشمندی اور بہت زیادہ باعث اجر و ثواب ہوتا، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کیا کہا تھا۔ انہوں نے کہا:

«وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ» (ھود-۹۱)

اور اگر تمہارے کنبہ کا ہم کو (لحاظ) نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کرچکے ہوتے اور تم ہم پر کچھ غالب تو نہیں۔

ان کی قوم نے ان کے خاندان و قبیلہ کے ڈر سے انہیں کچھ نہ کہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عربی سیکھو اس لئے کہ اس سے مروت میں اضافہ ہوتا ہے اور رشتوں کو پہچانو اس لئے کہ اس سے بہت سے نامعلوم رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا موقع مل جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اپنے خاندان والوں کا اکرام کرو اس لئے کہ پرواز کے لئے وہ تمہارے بازو اور پر ہیں، انہی کے ذریعہ تم حملہ کرتے ہو، انہی کے ذریعہ قوت حاصل کرتے ہو، مصیبت کے وقت یہی مددگار بنتے ہیں، ان میں سے باعزت اور بڑوں کا اکرام کرو، بیماروں کی عیادت کرو اور اپنے معاملات میں انہیں شریک رکھو اور ان میں سے جو تنگدست ہوں ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

باقی ص۲۲ پر

حج بدل کب اور کیسے؟

محمد خالد ندوی غازیپوری

حج کے لغوی معنی قصد کرنے کے ہیں، اصطلاح شریعت میں "حج" اشہر حج کے مہینوں (شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ کے دس دن) میں مخصوص ارکان کی ادائیگی کی نیت سے مخصوص طریقہ پر کعبۃ اللہ کے قصد کرنے کو کہتے ہیں، حج اسلام کا چوتھا رکن ہے، ۹ھ میں مدینہ منورہ میں حج کی فرضیت کا حکم نازل ہوا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد چار دفعہ عمرہ فرمایا اور حج ۱۰ھ میں لاکھوں صحابہ کرام کی معیت میں ادا فرمایا۔ زمانہ اسلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا اور آخری حج تھا۔ اسی مناسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کو حجۃ الوداع یعنی آخری حج کہا جاتا ہے، اسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں وہ تاریخی خطبہ دیا تھا جسے خطبۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ جو اسلامی شریعت کا اہم منشور ہے۔ حج کی ادائیگی کعبۃ اللہ شریف میں حاضری کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی وجہ سے عالم اسلام کے ہر خطہ سے مسلمان جوق در جوق سوئے حرم روانہ ہوتے ہیں، اس حاضری کے شوق میں کلفتیں برداشت کرتے ہیں۔ زندگی کا اہم اندوختہ اس سفر میں صرف کرکے ایک روحانی مسرت محسوس کرتے ہیں۔ دنیا کے ہر گوشہ سے سوئے حرم کشاں کشاں بڑھتے ہوئے قافلے اس آیت کی عملی تصویر نظر آتے ہیں

"وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ"

اور لوگوں میں حج کے لیے ندا کردو کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر جو دور (دراز) رستوں سے چلے آتے ہیں (سوار ہوکر) چلے آئیں۔

ایک پہاڑی پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ آواز لگائی تھی۔ وہ آواز کیسی طاقتور تھی کس بلا کی تاثیر رکھتی تھی۔ اس آواز پر لبیک کہنے والوں میں ماں کے پیٹ میں پرورش پانے والے بچے بھی تھے اور وہ روحیں بھی جو تخلیق کے عمل سے نہیں گذری تھیں۔ اور آج لاکھوں کا مجمع اس موقع پر امڈا ہوا چلا آتا ہے کہ حکومت انتظامی دشواریوں کی وجہ سے روک نہ لگائے تو یہ لاکھوں کا مجمع کروڑوں تک پہونچ جائے۔ یہ آواز اخلاص کی تھی۔ امر الٰہی کی اتباع میں تھی۔ لہٰذا [illegible] وتاثیر میں لافانی اثرات کی حامل تھی۔

آج ہر مسلمان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ کاش اس پاک سرزمین "حرمین شریفین" کی حاضری کا اسے کسی طرح شرف حاصل ہوجائے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ جو اپنی زندگی میں اس شرف سے مشرف ہوئے اور کتنے باچشم نم محرومی کا احساس لیے استطاعت کے باوجود رخصت ہوگئے۔

لیکن اس مالک رحیم و کریم کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ایسے لوگوں کی طرف سے اس فریضہ کی ادائیگی کی سبیل پیدا فرمادی ہے. جو خود تو حاضر نہ ہوسکے لیکن ان کی طرف سے کوئی اور مناسک حج ادا کرلے تو اس شرف کو حاصل کرنے والے ہو جائیں گے، عام اصطلاح میں اسی عمل کو حج بدل کہا جاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن عبد اللّٰہ ابن بریدۃ عن ابیہ قال بینا انا جالس عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ اذ اتتہ امرأۃ فقالت انی تصدقت علی امی بجاریۃ وانہا ماتت قال فقال وجب اجرک ... قالت انہا لم تحج قط أفأحج عنہا قال حجی عنہا۔ مسلم ص۳۶۳

حضرت عبداللہ اپنے والد حضرت بریدہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک ایک خاتون خدمت عالیہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا حضور! میری والدہ کا انتقال ہوگیا جن نے ان کی طرف سے ایک باندی آزاد کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا اجر و ثواب (ان کے لیے) لازم ہوگیا۔ پھر انھوں نے سوال کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم انھوں نے حج نہیں کیا تھا تو کیا میں ان کی طرف سے حج کروں۔ فرمایا (ہاں) ان کی طرف سے تم حج کرو۔

حج کب فرض ہوتا ہے

زندگی میں ایک بار ہر عاقل، بالغ، صاحب استطاعت مسلمان پر حج فرض ہوتا ہے، صاحب استطاعت سے مراد وہ مالی گنجائش ہے جو اپنے حوائج اصلیہ (ضروریات زندگی) اور اپنے متعلقین کے مصارف کے لیے (جو سفر حج کے زمانہ میں ہوں گے) اس کے پاس موجود ہو، اس کے علاوہ اس کے پاس اتنی رقم باقی رہ جاتی ہے کہ سفر حج کے مصارف وہ برداشت کرسکے، ایسی صورت میں اس شخص پر حج فرض ہوگا۔

اسی طرح راستہ کا مامون ہونا اور خواتین کے لیے محرم کا پایا جانا بھی حج کی فرضیت کے لیے ضروری ہے۔

مذکورہ بالا شرطیں اگر کسی شخص میں پائی جائیں تو اسی پر اسی سال حج فرض ہو جائے گا جس سال اسے یہ استطاعت حاصل ہوئی ہے، لہٰذا اب اسے تاخیر نہیں کرنا چاہیے، ٹال مٹول سے کام نہیں لینا چاہیے ایسا کرنے والے کے حق میں بڑی سخت وعید آئی ہے، اور اگر اسی حال میں موت واقع ہوگئی اور اس نے حج ادا نہیں کیا تو اس کے لیے بڑی محرومی کی بات ہوگی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من ملک زادا وراحلۃ تبلغہ الی بیت اللّٰہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یہودیا او نصرانیا"

جس کے پاس زاد و راحلہ (خوراک اور سواری کا خرچ) مہیا ہوگیا جو اس کو بیت اللہ تک پہونچا سکے، پھر بھی اس نے حج نہ کیا تو عجب نہیں کہ وہ یہودی یا نصرانی ہوکر مرے۔

(ترمذی ج۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے شخص کے متعلق فرماتے تھے۔

"ماھم بمسلمین ماھم بمسلمین"

ایسے لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے، ایسے لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے۔

اور فرماتے:۔

"لا تجوز الصلوٰۃ علی المیت المستطیع الذی لم یحج"

ایسی میت کی جس نے باوجود استطاعت کے حج ادا نہ کیا ہو نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ، ابراہیم نخعیؒ، حضرت مجاہدؒ اور حضرت طاؤسؒ وغیرہ

بہت سے محدثین اور بزرگوں کا یہی فتویٰ ہے کہ ایسے شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ لہٰذا جس پر حج فرض ہوگیا ہو وہ ادائیگی میں عجلت کرے کہ مبادا سستی سے موت کا وقت قریب آجائے یا مفلس و قلاش ہو جائے اور فریضہ حج سر پر رہ جائے اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی ہے۔

"من اراد الحج فلیتعجل" (ابوداؤد)

جو حج کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے حج کی ادائیگی میں جلدی کرنی چاہیے۔

الغرض بلا عذر شرعی حج کے فرض ہوتے ہی حج کے لیے نہیں گیا تو سخت گنہگار ہوگا اس سلسلے میں عام طور پر بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔ متمول حضرات حج کے لیے جانے میں مختلف بہانوں سے کام لیتے ہیں، کبھی اولاد کی شادی (جو ابھی نابالغ ہے) بھی ٹال مٹول کا باعث بن جاتی ہے۔ حالانکہ اس سلسلے میں اصل مسئلہ یہ ہے۔

"حج فرض ہوگیا تو حج کے لیے جانا ضروری ہے، عام ازیں کہ اولاد کی شادی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، نہ جانے پر گناہگار ہوگا، اولاد کی شادی کرائے بغیر حج فرض نہیں ہوتا اور حج کے لیے نہیں جاسکتا، یہ اعتقاد درست نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج۳ ص۹۲)

البتہ وہ اعذار شرعیہ جن کی وجہ سے حج کو ملتوی کیا جاسکتا ہے، وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مفلس ہوجانا۔ ۲۔ ظالم حاکم کا خوف ۳۔ قید خانہ میں جانا۔ ۴۔ راستہ کا غیر مامون ہونا ۵۔ مرض کی وجہ سے سفر نہ کرسکے۔ ۶۔ عورت کے ساتھ شوہر یا محرم نہ ہو۔ ۷۔ عورت عدت میں ہو۔

ان اعذار کے دور ہو جانے پر خود حج کو جانا ضروری ہے ورنہ حج بدل کی وصیت لازم ہے۔

حج بدل کی فضیلت اور اس کا ثواب

موقع اور محل کی مناسبت سے حج بدل کی فضیلت سے متعلق چند حدیثوں کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ ایک حج (بدل) کے عوض تین آدمی جنت میں جائیں گے۔ (باقی ص۲۳ پر)

اسلام میں اجتماعیت کا تصور

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی صدر شعبۂ عربی کالی کٹ یونیورسٹی (کیرلا)

اسلام کا بنیادی حکم یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان محبت کے نقوش ثبت کئے جائیں، محبت کی دولت لٹائی جائے، اسلام نے پورا نظام اس پر قائم کیا ہے کہ سماجی زندگی سے ایک طاقتور اور مؤثر اجتماعی زندگی ابھرتی ہے، انسان کی زندگی میں میل ومحبت، بھائی چارہ، ہمدردی اور غمگساری، اخوت وشرافت کے عناصر کو اسلام نے ابھار دیا ہے، مولانا روم نے جو فرمایا ہے کہ:۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

اسلام نے پوری زندگی کو محبت و وصل میں تبدیل کر دیا ہے، ہم اگرچہ کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ انسان سماجی حیوان ہے، مگر اسلام نے اس سماجی حیوان کو ایک ایسے طاقتور رشتہ سے جوڑا ہے اور ایک ایسا سلسلہ قائم کر دیا ہے جو مثبت پہلو اور معنویت کا آئینہ دار ہے۔

سب سے پہلے دیکھئے پانچ وقت کی نماز جماعت کو ذرا غور فرمائیے کہ جس شخص سے آپ دن میں بار بار ملیں گے نہ بھی گفتگو کریں گے مگر ذہنی قربت اور نفسیاتی تعلق تو استوار ہو ہی جائے گا، اجتماعی زندگی میں اس کے فوائد بے شمار ہیں، یعنی اسلام ایک حلقہ بناتا ہے ان احباب اور اصحاب کا جو ایک ہی فکر کے حامل ہوتے ہیں۔ اور ایک ہی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہ حلقہ بلاشبہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اثر ڈالتا ہے، پابندی سے پانچ وقت مسجد میں جانا اور جماعت سے نماز ادا کرنا باہمی محبت کا ایک عمدہ طریقہ ہے اسلئے کہ ملنے جلنے سے تعلق اور محبت بڑھتی ہے، جس طرح تیل سے شمع جلتی ہے۔

جمعہ کی نماز ہر ہفتہ ہوتی ہے، اور اس میں ایک بڑی جماعت کا اہتمام ہوتا ہے حتی کہ مسلم ممالک میں تو سڑکیں بند ہو جاتی ہیں، امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ جمعہ شہر میں صرف جامع مسجد میں ہونا چاہئے، اس لئے کہ ان تمام ممالک میں جہاں مالکی فقہ رائج ہے جمعہ کے دن سڑکیں بند ہو جاتی ہیں ہزاروں انسان قافلوں کی شکل میں نماز کیلئے رواں دواں نظر آتے ہیں۔ زندگی تھوڑی دیر کے لئے گویا ٹھہر جاتی ہے، تاکہ انسان اپنے رب کے حضور میں سجدۂ شکر ادا کرے۔

میں نے یہ مناظر خود نائیجیریا میں دیکھے ہیں جس سے اسلام کی اجتماعی طاقت اور شان کا جلوہ نظر آتا ہے۔ جمعہ کی نماز کا اجتماعی نفع غیر معمولی ہے۔ جو لوگ پنجگانہ نماز نہیں پڑھتے، اپنی دنیاوی زندگی میں ملوث رہتے ہیں، خدا کی یاد سے غافل رہ کر اپنے شب و روز بسر کرتے ہیں ان کے لئے بھی اسلام نے ایک ایسا موقع فراہم کر دیا ہے کہ ہفتہ میں ایک بار وہ اپنے پڑوسیوں، محلہ والوں، اور ساتھیوں کے ساتھ مل بیٹھتے ہیں۔

شہروں کی زندگی میں مغربی تہذیب نے بڑی بے گانگی، بے مروتی اور بیزاری انداز پیدا کر لیا ہے، مگر پھر بھی کافی لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں، البتہ دیہاتوں اور گاؤں میں تمام مسلمان جمع ہوتے ہیں، تو اس اجتماعی زندگی کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ اسلئے کہ وہاں ہر آدمی دوسرے کو پہچانتا ہے۔

اس طرح سال میں دو بار عید اور بقرعید کے دو اہم اجتماعات دوگانہ ادا کرنے کے لئے ہوتے ہیں جس میں مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ عید کی نماز ایک اسلامی شعار کا عظیم مظاہرہ ہے جس کے اثرات سماجی زندگی پر بھرپور انداز سے مرتب ہوتے ہیں۔ کم از کم سال میں دو بار وہ لوگ جو پنجگانہ اور جمعہ کی نماز ادا نہیں کرتے وہ بھی اس موقعہ پر خدا کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور خود عیدگاہ خصوصیت سے اسلامی نظم جماعت اور اجتماعیت کی نہایت دلکش ترجمانی کرتی ہے۔

عید اور بقرعید کا مظاہرہ نہایت مؤثر ہوتا ہے، مسلمان گروہ در گروہ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں۔ عیدگاہ آبادی سے دور ہوتی ہے خصوصاً دیہاتوں اور قصبات میں۔ البتہ شہروں کا حال دوسرا ہے کہ شہر بڑھتے بڑھتے عیدگاہ کو اندر کر لیتا ہے۔ بہرحال عیدین کے دن اسلام کی اجتماعی زندگی کا معنوی پہلو نہایت نمایاں انداز سے سامنے آتا ہے سماجی زندگی کے چند دوسرے پہلو بھی سامنے آتے ہیں مثلاً یہ کہ سارے مسلمان اجتماعی طور پر چند ایسے اعمال کرتے ہیں جو معاشرہ پر نہایت مثبت و مؤثر نتیجہ کے حامل ہوتے ہیں مثال کے طور پر صدقۃ الفطر ہے، سارے مسلمان ادا کرتے ہیں اور عید کی نماز سے قبل، یا قربانی ہے جو ہر صاحب نصاب پر واجب ہے، اس کا اثر پورے معاشرہ پر اجتماعی طور پر پڑتا ہے، اس طرح انسانی زندگی کے کتنے پہلو ہیں جہاں عبادت، خدمت اور معاشی زندگی کے اجتماعی مظاہر ہیں اسلام مسلمانوں کو باہم ملاتا ہے ان کے اندر اعلیٰ قدروں کو جنم دیتا ہے ان کی زندگی کو دوسروں کی زندگیوں سے جوڑ دیتا ہے۔

زکوٰۃ جو بظاہر عبادت ہے اور ہر شخص پر الگ الگ اس کے مال و دولت کے لحاظ سے فرض ہے مگر ذرا قرآن مجید کی آیت ملاحظہ فرمائیے تو اس کی اجتماعیت کا تصور فوراً واضح ہو جائے گا۔ فرمایا کہ:۔

"تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ اِلٰى فُقَرَائِهِمْ"

زکوٰۃ ان کے مالداروں سے لی جاتی ہے اور ان کے غریبوں میں بانٹ دی جائے گی۔ (غریبوں کو واپس کر دی جائے گی)

ذرا غور فرمائیے کہ کتنی بڑی عظمت ہے اور کتنی اعلیٰ قدر ہے کہ اسی بستی کے امیروں سے حاصل کر کے اسی آبادی کے غریبوں میں بانٹ دیا جائے۔ امیروں اور غریبوں کے درمیان یہ اجتماعی تعلق اور اس تعلق کو عبادت کا جزو بنانا اور اس طرح ایک ایسا معاشی نظام قائم کرنا جو پوری اجتماعی زندگی میں مؤثر انداز سے مثبت نتائج پیدا کرتا ہو اسلام کی برتری اور عظمت کی دلیل ہے،

صدقہ اور خیرات کو ہر مذہب میں اہمیت حاصل ہے مگر اس منظم انداز سے اجتماعی زندگی سے اس کا تعلق کہیں نظر نہ آئے گا بلکہ میں یہ حقیقت یاد دلاؤں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور خلفاء اربعہ کے دور میں زکوٰۃ اجتماعی طور پر حکومت وصول کر کے بیت المال میں جمع کرتی تھی اور پھر حکومت ہی اس کو غریبوں میں تقسیم کرتی تھی۔ یہ ایک عظیم معاشی، معاشرتی اور مالی نظم ہے اور کامیاب مظاہرہ ہے اسلام کے اجتماعی عدل کا۔

روزہ میں بھی اجتماعی زندگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے مگر چونکہ عمل بالکل شخصی ہے ہر نفس کا تعلق اس کے اپنے عمل سے ہے پھر بھی رمضان میں مجموعی طور پر ایک اسلامی فضا بنتی ہے۔ ایک اجتماعی شکل ابھرتی ہے، مسلمان اس ماہ کا احترام کرتے ہیں۔ اس میں برائی کرنے سے عموماً پرہیز کرتے ہیں۔ شام کو ہر گھر میں کچھ نہ کچھ پکتا ہے، مساجد کی آبادی بڑھ جاتی ہے، نمازی زیادہ ہو جاتے ہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں ایک تبدیلی واقع ہوئی ہے، خاص طور پر تراویح میں اس اجتماعی زندگی کا مظاہرہ پوری طرح سے ہوتا ہے، اور ہر شخص محسوس کرتا ہے رمضان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اثرات کو اپنی زندگی میں بھی اور معاشرہ میں بھی۔ یہی نہیں افطار کی دعوتیں بھی ایک دلکش اجتماعی پہلو کی غمازی کرتی ہیں۔

آخر میں ایک عظیم زندگی کا مظاہرہ اسلام کے پانچویں رکن اور چوتھی عظیم عبادت میں ظاہر ہوتا ہے، یعنی حج میں ـــــ حج ایک بین الاقوامی اجتماع ہے جہاں رنگ ونسل، ملک وملت، ذات پات، امارت وغربت، شاہ وگدا اور محمود و ایاز سب کے امتیاز پر ضرب کاری لگائی جاتی ہے، حاجی ایک ایسے لباس میں ہوتے ہیں جو سراسر انسانی زندگی کی حقیقت کو واضح کرتا ہے، ایک تہہ بند اور ایک کپڑا اوپری حصہ پر ایک ایسے انداز سے جس سے انسان کی بے بسی، خاکساری ظاہر ہوتی ہے، ایک کاندھا اور سینہ کا کچھ حصہ کھلا رہتا ہے، یہی لباس سارے حاجیوں اور باری تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونے والوں کا ہوتا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر اس پابندی سے اتنا بڑا اجتماع اور اجتماعی زندگی

باقی صـ۲۰ پر

عہد اسلامی میں علاج اور شفاخانے

[illegible]

شریعت نے جس طرح عقیدہ دین، علم اور دوسری دینی و دنیوی امور کے لئے اصول و احکام بتائے ہیں اسی طرح صحت و تندرستی کے بھی اصول بتائے ہیں، علاج معالجہ کی ہمت افزائی کی ہے اور اس کے لئے عمدہ انتظامات بھی کئے ہیں، مسلمانوں نے اپنے دور حکومت میں حکیموں، طبیبوں اور معالجین کی سرپرستی کی، تیار کئے اور ان کے ذریعے شفاخانے اور دواخانے قائم کئے انھیں کی کاوشوں اور تجربوں کی روشنی میں طب جدید نے ترقی کر کے یہ حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے ہیں، جو ہم اپنے گرد و پیش دیکھ رہے ہیں اور اس سے ہمارے بیمار فائدے حاصل کر رہے ہیں، اس بارے میں مسلمانوں کے پیش نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد رہا:۔

اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا
(بخاری، مسلم)

تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمام اسلامی عبادتوں میں حفظان صحت کا خیال رکھا گیا ہے، نماز، روزہ، حج اور اس سے متعلق ارکان و واجبات اور شرطیں جسم میں صحت، چستی اور توانائی پیدا کرتی ہے، نیز بیماری اور اس کے ازالہ اور قوت مدافعت پیدا کرنے کی جانب اسلام خصوصی توجہ دیتا ہے۔ یہی وہ بنیادی تھیں جس نے مسلمانوں کو علم طب کی جانب متوجہ کیا اور علمی مراکز، اور شفاخانے قائم کر کے ایسے حکماء، اور اطباء پیدا کر دیئے کہ جن پر دنیا کو آج بھی فخر و ناز ہے۔

جزیرۂ عرب فارس کے بادشاہ کسریٰ کے قائم کردہ طبی ادارہ جندیسا پور سے شناسا تھا جس کی کسریٰ نے چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں بناء ڈالی تھی اور اس سے بہت سے اطباء فارغ التحصیل ہوئے انھیں میں مشہور عرب طبیب حارث بن کلدہ تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زندہ تھا اور بیماروں کا علاج کیا کرتا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اگر کوئی بیمار ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے حارث بن کلدہ سے علاج کرانے کا مشورہ دیتے تھے بہت سی بیماریوں کے لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی تجویز فرماتے تھے اور اس کے استعمال سے شفایابی ہو جایا کرتی تھی، انھیں میں "عجوہ"، کھجور ہے جس کو متعدد بیماریوں کا علاج بتایا، علامہ ابن قیم نے ان تجاویز کو "طب نبوی" کے نام سے مرتب کیا ہے، میدان جنگ میں مرہم پٹی اور فوری علاج کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ کچھ لوگوں اور خواتین کو بھی لیا کرتے تھے، اس طرح دو قسم کے شفاخانے عہد نبوی ہی سے قائم ہو چکے تھے مستقل شفاخانے اور گشتی شفاخانے، گشتی شفاخانہ جو فوجی نوعیت کا تھا وہ غزوہ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا، جب حضرت سعد بن معاذ کے بازو کی ایک رگ "اکحل" زخمی ہو گئی تو آپ نے ان کے علاج کے لئے فرمایا کہ انھیں رفیدہ کے خیمہ میں پہونچا دو تاکہ میرے قریب رہیں اور میں ان کی بآسانی عیادت کر سکوں بعد میں مسلمان خلفاء اور بادشاہوں نے اس کو بہت زیادہ وسیع کر کے ترقی یافتہ بنایا، ان گشتی شفاخانوں میں نہ صرف اطباء بلکہ نرسیں، دوائیں اور کھانے پینے کا مکمل سامان رہتا تھا اور ان گاؤں، دیہاتوں، قصبوں اور دور دراز کے علاقوں میں گشت کرتے رہتے تھے جہاں مستقل شفاخانے قائم نہیں ہو سکے تھے، عباسی وزیر عیسیٰ بن علی جراح نے بغداد کے حکیموں اور طبیبوں کے سربراہ اور شفاخانوں کا نگراں اعلیٰ سنان بن ثابت بن قرہ کو تحریر کیا کہ: مجھے دریائی علاقوں کے بارے میں بڑی فکر ہے وہاں بیماریاں کثرت سے ہوتی ہیں اور معالج و حکیموں کی کمی بلکہ نایاب ہیں، اس لئے تم فوراً حکیموں کی ایک جماعت تیار کرو اور ان کے ہمراہ دواؤں اور مکسچر کی ایک الماری کر دو، وہ دیہی علاقوں میں گشت کریں اور ایک ایک گاؤں اور دیہات میں منتقل ہو جایا کریں"، ان گشتی شفاخانوں میں اتنی ترقی ہوئی کہ سلطان محمود سلجوقی کے زمانے میں چالیس چالیس اونٹوں پر دوائیں منتقل کی جاتی تھیں، بغداد کی خلافت کے اس طرز علاج کو مصر پھر شمالی افریقہ اور اندلس میں اختیار کیا گیا، اندلس نے اتنی ترقی کی اور طب و علاج کو اتنا فروغ ہوا کہ یورپ کے تمام ممالک اس سے فیضیاب ہوئے اور جدید طب نے اپنی دیوہیکل عمارت انھیں مستحکم بنیادوں پر تعمیر کی، خلافت عباسیہ کے مشرق میں ایران و خراسان اور ہندوستان تک نے مسلم عہد میں اس طریقہ علاج کو اپنایا اور اسے ترقی پذیر بنایا۔

ان گشتی شفاخانوں کے علاوہ مستقل شفاخانے بنائے گئے جنھیں "بیمارستان"، کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، عہد اسلامی میں سب سے پہلا مستقل شفاخانہ اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں بنایا گیا جو اگرچہ جذام کے مریضوں کے لئے مخصوص تھا مگر اس میں اور دوسری بیماریوں اور آنکھوں کا بھی علاج کیا جاتا تھا، اس میں مریضوں کے کھانے، پینے اور بستر ولحاف اور خدمتگاروں کا مکمل انتظام تھا طبیبوں کی تنخواہیں مقرر کی تھیں، بعد میں اسی طرز پر اسپتال کے قیام کا عام رواج شروع ہوا اور دار الحکومت شہر اور قصبے میں ایک یا اس سے زیادہ شفاخانے بنائے گئے، اور روز بروز اس کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور صرف قرطبہ میں (۵۰) پچاس شفاخانے تھے جو اندلس کا ایک شہر تھا، بعد میں ان شفاخانوں کو مختلف اداروں اور ضرورتوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا، فوج کے لئے علاحدہ بیمارستان قائم کیا گیا جس میں مستقل طور اطباء رہتے تھے خلیفہ، سپہ سالاروں، رؤساء اور اعیان سلطنت کے اپنے مخصوص معالجین تھے، قیدیوں کے لئے الگ سے شفاخانے تھے جس میں اطباء روزانہ بیٹھتے تھے اور علاج کرتے تھے وزیر علی بن عیسیٰ نے بغداد کے طبیبوں کے سربراہ سنان بن عدی کو حکم دیا کہ "قیدیوں کے علاج کے لئے خصوصی انتظام کریں، روزانہ قیدخانوں میں اطباء جائیں اور ان کا علاج کر کے ان کے لئے ضروری دوائیں فراہم کریں کیونکہ ان کی صورت حال کے پیش نظر ان میں بیماریاں پھیلنے کا زیادہ اندیشہ ہیں، ان شفاخانوں کے علاوہ ہنگامی شفاخانے (فرسٹ ایڈ) بھی قائم کئے گئے تھے، جو عموماً مسجدوں عوام کی رہائش گاہوں بازاروں کے قریب ہوتے تھے مشہور مؤرخ مقریزی نے ذکر کیا ہے کہ مصر کے بادشاہ ابن طولون نے جب اپنی مشہور مسجد تعمیر کی تو اس کے پشت پر وضو خانہ سے کچھ فاصلہ پر ایک ہنگامی دواخانہ بنوایا اس میں تمام دواؤں کے علاوہ خدمتگار متعین کیا، تو جمعہ کے روز خاص طور سے بیٹھتا تھا کہ اگر کسی نمازی کو کوئی تکلیف ہو تو وہ فوری طور پر طبی امداد بہم پہونچائے۔

بقیہ: گدڑی میں لعل

اور اب لوگ ان کی بزرگی کے ایسے معترف ہو گئے کہ ان کو دیکھنے کا شدت سے انتظار کرنے لگے کہ ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیں اور ان سے دعا کی درخواست کریں، تاہم انہیں دوبارہ نہ دیکھ سکے۔ جب ان بزرگ کا راز فاش ہو گیا تو انھوں نے شہر بصرہ کو خیرباد کہا، اور وہاں سے کوچ کر کے کسی ایسے شہر میں تشریف لے گئے جہاں لوگ انہیں نہ جانتے ہوں۔

اللہ کے اس برگزیدہ بندہ پر اس کی رحمتیں نازل ہوں۔ آپ مرای میں آپ نے جان جان آفریں کو سپرد کیا اور وہیں ہمیشہ ہمیش کے لئے سو رہے ہیں آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

بوسنیا ہرزہ گووینا اور مغربی ذرائع ابلاغ

محمد وصاف عالم ندوی

بوسنیا ہرزہ گووینا کے مسلمانوں کی جدو جہد کی مغربی ذرائع ابلاغ یکطرفہ تصویر پیش کرتے رہے ہیں۔ جس سے ایک طرف وہاں کے مسلمانوں کے بارے میں غلط تصویر قائم ہوتی ہے تو دوسری طرف دنیا کے مسلمانوں کے بارے میں یہ تصور قائم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے مسائل سے بے پرواہ ہیں اور ان کی مدد سے عاجز، وہ اپنی ساری توجہ واقعات کو اس ترتیب سے پیش کرنے پر مرکوز کر رہے ہیں کہ اس سے مسلمانوں کی کس مپرسی، لاچاری، انتشار اور بے تدبیری ظاہر ہو اور وہ خوف زدہ ہو جائیں اور اپنے ملکوں میں شکست کی پوزیشن قبول کرلیں اور ان کی ہمت پست ہو جائے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ یہ زہر آلود میڈیا اطراف عالم سے سمٹ کر آئے ہوئے مجاہدین کے جنگی کارناموں سے مسلسل چشم پوشی برت رہا ہے اور وہ صرف شکست اور تباہی کے واقعات کو پیش کرتا ہے ـــــ عمان کے رسالہ الشریعہ نے صورت حال کا جائزہ لیا ہے اس کے نمائندوں نے وہاں جاکر اس کے حقیقی مسائل کو نہایت سنجیدگی اور دیانت داری سے مطالعہ کر کے پیش کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ نے مجاہدین کے کارناموں کو پردۂ خفا میں رکھ کر دراصل مسلمانوں کے گرد و پیش مایوسی کا جو ہالہ قائم ہے اس کو علی حالہ باقی رکھنا چاہتے ہیں تاکہ ان کے حوصلے پست ہو جائیں اور میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں۔ لیکن اس سے قطع نظر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ وعدۂ الٰہی حق ہے اور "ولینصرن اللہ من ینصرہ" کا قانون یقیناً جاری و نافذ ہو کر رہے گا۔ اس وقت مجاہدین کی پوری طاقت صربوں کے پنجۂ استبداد سے بوسنیا کو آزاد کرانے پر لگی ہوئی ہے، مسلمانوں کے قائد محمود کراستش کو دنیائے اسلام سے معقول مدد مل رہی ہے۔ (یہ مدد مالی بھی ہے اور مجاہدین کی شکل میں بھی) تاکہ عالمی منڈی سے ہتھیاروں کی خریداری کر کے غاصب صربیوں کو دندان شکن جواب دیں اور ان کے چنگل سے مسلمانوں کی اس سرزمین کو آزاد کرائیں۔

بوسنیا کی جانب سے آئے ہوئے پناہ گزینوں نے سخت احتجاج کیا ہے کہ آخر کب تک ہم مغربی ذرائع ابلاغ پر تکیہ کرتے رہیں گے اور اس کو سنتے رہیں گے جبکہ یہ بات ایک حقیقت بن کر سامنے آچکی ہے کہ وہ صربیوں اور کروائیوں کے مفاد کی نمائندگی کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خدائی لشکر کا شمار مشکل ہے ولا یعلم جنود ربک الا ھو لیکن ویڈیو کیسٹ نے بوسنیا کے مظلومین کی کھل کر پشت پناہی کی ہے اور کروائیوں، صربیوں کے مورل کو پست تر کیا ہے اور اس کے اثرات کروز میزائیل سے کہیں زیادہ دور رس ثابت ہوئے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ یہ لشکر ناتواں صرب فوجیوں کی تباہی کا سامان بن گیا ہے۔

صرب فوجیوں کے سامنے یہ بات کھل کر آگئی ہے کہ دنیا کے کونے کونے سے مسلم مجاہدین سمٹ کر یہاں آرہے ہیں، اور اب اس کا مقابلہ صرف بوسنیا سے نہیں بلکہ پورے عالم کے مسلمانوں سے ہوتا جا رہا ہے۔ اس اتحاد و اتفاق نے انکی ہمتوں کو پست کر دیا ہے، انھوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ ایک بوسنیائی مسلمان دس صربیوں کے برابر ہے اور اسی خیال سے وہ لڑائی کو وسعت دینا نہیں چاہتے ہیں، کہ کہیں یہ مسلمان اکیلے پورے یورپ کے لئے خطرہ نہ بن جائے۔

اس وقت بوسنیا کی پہاڑیاں اللہ اکبر کے نعروں سے گونج رہی ہیں۔ اور اس نعرۂ مستانہ نے ان کے دلوں سے لہو نچوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اور کتنے ہی فوجیوں نے صرف اس نعرہ کی گونج سے دہل کر موت کو گلے لیا۔ حال یہ ہے کہ اس وقت صرب فوجی لرزاں و ترساں ہیں جبکہ مجاہدین نشۂ شہادت سے چور ہیں۔ اور ان سے شائبۂ خوف و ہراس بھی نکل چکا ہے، اور وہ شیروں کی طرح گرج رہے ہیں۔ اور صرب فوجی چوہوں کی طرح نکل بھاگنے میں عافیت محسوس کر رہے ہیں، خدا کی قدرت سے بعید نہیں محض اسی رعب و ہراس سے فتح مبین ہو جائے اور اسطرح بوسنیا ہرزہ گووینا فتح یورپ کا پہلا باب ثابت ہو، جیسا کہ بعض مبصرین اور علماء ذاکرین کا خیال ہے۔

ڈاکٹر محی الدین کمالہ (جس نے حال ہی میں بوسنیا ہرزہ گووینا کی زیارت کی ہے) کی ملاقات امت مسلمہ کے لئے باعث مسرت ہے کیونکہ مغربی ذرائع ابلاغ نے جھوٹی روایات نشر کر کے ہمارے ذہن و دماغ میں یاس و ہراس پیدا کر دیا ہے۔ انھوں نے بڑے پتہ کی بات کہی کہ حقیقت یہ ہے کہ ان ذرائع ابلاغ کا مقصد وہاں رونما ہونے والے حادثات کو پھیلا کر دہشت پیدا کرنا ہے نہ یہ کہ کوئی حل نکالنا مقصود ہے، ان تمام قساوت قلبیوں اور انسانیت سوز حادثوں کا واحد مقصد یہی سمجھ میں آرہا ہے وہ اس علاقے میں اسلامی بیداری سے بری طرح خائف ہیں کیونکہ جغرافیائی اعتبار سے فتح یورپ کے یہی دونوں علاقے کلید کی حیثیت رکھتے ہیں، اور انھیں ڈر ہے کہ کہیں پرچم اسلامی یورپ کی فضاؤں میں ایک بار پھر نہ لہرانے لگے۔

اس وقت مجاہدین کے دستے سوڈان، شام، ملیشیا، ایران، افغانستان، پاکستان، امریکہ، مصر، سعودیہ اور بعض دیگر خلیجی ممالک حتیٰ کہ برطانیہ سے مسلسل بوسنیا کے میدان کارزار میں پہونچ رہے ہیں اور محمود کراستش (جو سرایفو کی ایک یونیورسٹی میں استاذ کی حیثیت سے مامور ہیں) کی فوج نے صرب فوجیوں کے درمیان انتشار پیدا ہونے، اور بھاری نقصانات کا اندازہ کیا ہے۔ بوسنوی مسلمانوں اور صرب فوجیوں کے درمیان اس محاذ آرائی کے بعد محمود کراستش نے اعلان جہاد کر دیا ہے، اور مسلم مجاہدین جوق در جوق اس سے آآکر مل رہے ہیں، اور صرب فوجیوں کے خلاف برسرپیکار ہیں اور داد شجاعت دے رہے ہیں۔ اور صربیوں کی ظالمانہ قیادت جس نے معصوم شہریوں پر ظلم ڈھایا ہے مردوں، بوڑھوں، اور بے دست و پا بچوں کو بے دریغ قتل کیا اور پاکدامن عورتوں کی عصمت و ناموس کے ساتھ کھلواڑ کیا اور حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کئے، اتنی وحشت و بربریت کی تھکی داستان پیش کر رہی ہے۔

بوسنیا ہرزہ گووینا کی سرزمین میں جہاد کی ایک نئی تاریخ لکھی جا رہی ہے، اس وقت چین کی نیند سو نہیں سکتا، یہ ایک یورپی لیڈر کا تاریخی جملہ ہے جس نے باور کر لیا تھا کہ عنقریب نور الٰہی کی کرنوں سے یورپ کی ظلمت کافور ہو جائے گی، بلکہ سارا عالم منور ہو جائے گا۔ لیکن وہ اس شمع روشن کی لو تیز کر کے اپنی چور د هراہٹ سے ہاتھ نہیں دھو سکتا۔

یہ نام نہاد لیڈر شاہ نما ہے جس کو خفیہ رپورٹوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ صرب فوجیوں کے دلوں میں خوف و دہشت پیدا ہو رہی ہے۔ اس کیفیت نے اس وقت شدت اختیار کرلی جب انھیں معلوم ہوا کہ مسلم مجاہدین بوسنیا ہرزہ گووینا آکر افرادی طاقت میں اضافہ کر رہے ہیں، بوسنیا کی جنگ اب بوسنیائی مسلمانوں کی جنگ نہیں ہے۔ بلکہ سارے عالم کے مسلمانوں کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر محی الدین کمالہ نے یہ بھی وضاحت کی کہ بوسنیا کے مسلمان عرب مجاہدین سے ٹریننگ لے رہے ہیں اور انھوں نے ایسا دستہ تیار کیا ہے جو صربیوں کو ان کے خندقوں میں گھس کر انھیں قتل کر رہا ہے، وہاں کی وادیاں، پہاڑیاں نعرۂ اللہ اکبر کی صدائے بازگشت سے گونج رہی ہیں، یہی وہ نعرۂ مستانہ اور جرأت رندانہ ہے جسکی وجہ سے صرب فوجی مجاہدین کے سامنے سرنگوں ہو کر عرض کرتے ہیں۔ خدارا ہمیں عرب مجاہدین کے حوالہ نہ کریں، ڈاکٹر کمالہ نے بتایا کہ اب بوسنیا کی صورت حال یکسر تبدیل ہو چکی ہے۔

بوسنیا اب قتل گاہ کے بجائے مجاہدین اسلام کے لئے بازی گاہ ثابت ہو رہا ہے، یہ بھی حکمت الٰہی سے خالی نہیں۔ اسی کا اثر ہے کہ پانچ سو مسجدیں آباد ہو گئی ہیں۔ اور خواتین میں پردہ کا رجحان تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اور بوسنیائی مجاہدین کا حال یہ ہے کہ وہ عرب مجاہدین کے ساتھ ایک قیادت کے ماتحت کام کر رہے ہیں تاکہ تعلیمات اسلام ان سے حاصل کر سکیں اور جہاد کی حقیقتوں اور اسکی عظمتوں کی تہہ تک پہونچ سکیں، ان کی تعداد میں بھی

روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور سخت پابندیوں کے باوجود اسلحہ کی کمیت میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ خبر باعث مسرت ہے کہ دنیا کے مسلمان اس جہاد میں دامے درمے قدمے سخنے حصہ لے رہے ہیں، ابھی حال میں ایک کویتی نے تین ملین ڈالر اسلحہ کی خریداری کے لئے پیش کئے ہیں۔ ایک جرمن نے ایک ملین مارک، ایک شخص نے امریکہ سے ساڑھے سات لاکھ ڈالر چندہ کر کے بھیجا ہے۔ ایک مسلم خاتون نے ۲۰ لاکھ ڈالر ہدیہ کیا ہے، اس کے باوجود بوسنیا کی صورت حال وسائل کی کمی کا شکار ہے۔ اسے اسلحہ کی فراہمی کیلئے مزید مدد کی ضرورت ہے۔ مزید یہ کہ ان کے اندر جوش و جذبے کو ابھارنے کیلئے علماء و واعظین کی ضرورت ہے، جو حقیقت جہاد کی وضاحت کریں، احکام الٰہی بیان کریں۔

وہاں برف باری بھی ہو گئی ہے جو مجاہدین کے حق میں بڑی معاون ثابت ہو رہی ہے وہ صرف حرکت و نشاط ہی کو باقی نہیں رکھتی بلکہ مجاہدین اس سے جنگی تیاریوں، پلاننگ اور میدان کا جائزہ لیتے ہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے مقبوضہ آراضی کا بہت کچھ حصہ بھی بازیافت کر چکے ہیں اور ان تمام لوگوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ ہم میدان جہاد سے ذرہ برابر نہیں ہٹیں گے، جب تک کہ بوسنیا کی سرزمین پر پرچم اسلام لہرا نہ لیں گے۔

کمیونسٹ عہد میں بوسنیا کے مسلمان کسی اسلامی لشکر کی تشکیل نہ کر سکے تھے لیکن محمود کراستش کی فوج نے ایک اسلامی لشکر کی تشکیل دینے کی جد و جہد کی ہے، جس کا کام سرحدوں کی حفاظت اور مقبوضہ آراضی کی بازیافت ہے۔

اس وقت ڈھائی ملین مسلمان چٹان کی طرح ۱۱ ملین صربیوں اور ۵ ملین کروشیوں کے سامنے ڈٹے ہوئے ہیں۔

ان کے ذرائع ابلاغ رائی کا پربت بنانے سے ذرا بھی نہیں شرماتے، ایک بار اس کے نشریہ نے خبر دی کہ اس نے مکمل ایک گاؤں جس کی آبادی ۱۰ ہزار ہے ملیامیٹ کر کے رکھ دیا ہے جبکہ شیخ المجاہد نے بتایا کہ بجری برکہ تین دن کے سخت ایکشن کے بعد صرف ایک مسلمان شہید ہوا۔ کیونکہ اس گاؤں کے تمام لوگوں نے اس دوران وادیوں، پہاڑیوں میں جاکر پناہ لے لی تھی ہم فرانسو میدان سے کہنا چاہتے ہیں جس نے کہا تھا کہ وہ اس کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے کہ بوسنیا کی سرزمین میں اسلامی حکومت قائم ہو۔ اسی طرح یورپ کے مشترکہ مارکیٹ کے صدر سے بھی صاف کہہ دینا چاہتے ہیں جس نے بوسنیا ہرزہ گووینا کو اس مشترکہ یورپی مارکیٹ کی رکنیت سے روک دیا تھا۔ یہ بیانات ان کے اندھے پن اور انتہائی درجہ عصبیت اور اس دین سماوی کی حقانیت سے عدم واقفیت پر دال ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس دین کو پورے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور اس دین میں بیمار مغربی تہذیب کی بھی دوا ہے جس کو ایڈز جیسے مہلک لاعلاج مرض نے اپنے شکنجہ میں کس لیا ہے۔

بوسنیا کے صدر علی عزت بیگوویچ کو ان کی اسلامی خدمات کے اعتراف کے طور پر شاہ فیصل ایوارڈ

اسلام کی خدمت، اسکی نشر و اشاعت اور اس کے علوم و فنون کی تحقیق و تدوین میں نمایاں خدمات انجام دینے پر فیصل ایوارڈ کمیٹی کی جانب سے ۱۹۹۳ء کا فیصل ایوارڈ بوسینیا کے صدر علی عزت بیگوویچ کو دیئے جانے کا اعلان کیا گیا ہے، انعام کے استحقاق کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بیان میں علی عزت بیگوویچ کی حسب ذیل خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

- انھوں نے اپنی سنجیدہ علمی تحریروں میں اسلام کے عالمی رول کو پیش کیا اور اسکو انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل جدید کا اہم عنصر قرار دیا، ان کے اس تصور سے پوری دنیا کے مسلمانوں کو رہنمائی ملی، اور اسلام کی برتری اور تفوق کا احساس ان کے دلوں میں پیدا ہوا۔
- انھوں نے اپنے ملک کے مسلمانوں پر کئے جا رہے ظلم و تشدد کے خلاف آواز اٹھائی، قومی مفاد پر ذاتی مفاد کو قربان کیا، مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر یکجا کیا، ان کے دلوں میں ایک نیا جوش و ولولہ پیدا کیا، اور ظالم طاقت سے بزد آزمائی کے لئے عوام کے ساتھ خود بھی میدان عمل میں نکل آئے۔
- اسلام کا دفاع کرنے اور اسلامی سیاست کی باگ ڈور سنبھالنے کے الزام میں ان کو کمیونسٹ حکومت کے جبر و قہر کا سامنا کرنا پڑا۔ اور قید و بند کی اذیت ناک سزائیں برداشت کرنی پڑیں۔ لیکن ان تمام مصائب و آلام کے باوجود ان کے پایۂ استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آنے پائی۔
- انھوں نے ایسی اسلامی تنظیم کی بنیاد ڈالی جس نے مسلم قوم کی آزادی کی بھرپور کوشش کی۔
- انھوں نے بلقان میں اپنی قوم کے تشخص کو برقرار رکھنے کے لئے مسلسل نسلی چیلنجوں اور دشمنانہ سازشوں کا مقابلہ کیا۔
- انھوں نے امت اسلامیہ کے قائدین اور علماء کے درمیان روابط کو مستحکم بنایا اور قائدین اور عوام کے روابط کے اس استحکام کی وجہ سے عوامی مسائل حل کرنے میں ان کو بھرپور کامیابی حاصل ہوئی۔
- انھوں نے اس کام میں گرد و پیش کے حالات و خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی قوم کے سامنے ایک ایسا اور واضح راہ عمل پیش کیا کہ جس پر چل کر انکی قوم فتح و کامرانی سے ہمکنار ہو سکتی ہے، اور دشمن پر غلبہ حاصل کر کے اس ملک میں اسلام کا جھنڈا لہرا سکتی ہے۔

بوسنیائی صدر علی عزت بیگوویچ ۱۹۲۵ء میں بوسنیا کے ایک علاقہ میں ایک مسلم خاندان میں پیدا ہوئے۔ اور سرایو کے شہر میں (جس کو اب بوسنیا کی راجدھانی ہونے کا امتیاز ہے) اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کی، اس کے بعد انھوں نے علماء کی مجالس میں شریک ہو کر اور خاندان کے مشاہیر کی صحبت میں بیٹھ کر اسلامی علوم و فنون میں مہارت پیدا کی اور اس کے ساتھ لاء کی ڈگری حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد انھوں نے مسلم نوجوانوں میں تعلیمی رجحان عام کرنے، اور اپنے ملک میں مسلمانوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے جد و جہد شروع کر دی، جس کے نتیجہ میں انھیں ۱۹۴۹ء میں پانچ سال کے لئے قید با مشقت کی سزا سنا دی گئی، اور اسطرح انکی تعلیمی و اصلاحی سرگرمیاں پانچ سال کیلئے قید خانہ کی چہار دیواری کے اندر محدود ہو گئیں۔

قید سے چھٹکارا پانے کے بعد انھوں نے ۲۵ سال تک قانون صلاح کاری کے میدان میں کام کیا، پھر انھوں نے اس کام سے کنارہ کشی اختیار کرلی لیکن خاموش بیٹھنا انکو گوارہ نہ ہوا، چنانچہ انھوں نے مطالعہ کتب اور تصنیف و تالیف کو اپنی مصروفیات کا محور بنالیا۔

۱۹۸۳ء میں بعض دوسرے اسلامی مفکرین کے ساتھ ان کو ۱۴ سال کے لئے سرایو کے ایک قید خانہ میں قید کر دیا گیا، لیکن وہ جلد ہی اس قید سے کمیونزم کے زوال اور یوگوسلاویہ کے خاتمہ کی وجہ سے آزاد ہو گئے، خیالات ان کے اب بھی وہی تھے جو انھوں نے اسلامی منشور میں پیش کئے تھے، ان کے اغراض و مقاصد اسلامی حکومت کے قیام کے ترجمان ہیں۔

اسلامی علوم کی تحقیقات کے سلسلہ میں دوسرا فیصل ایوارڈ عین شمس یونیورسٹی قاہرہ میں علم الاجتماع کے پروفیسر ڈاکٹر حسن ساعاتی کو دیا گیا۔

عربی ادب میں نمایاں خدمات انجام دینے پر دیا جانے والا فیصل ایوارڈ اس سال کسی کو نہیں دیا جاسکا۔ کیونکہ جائزہ کمیٹی کے جنرل سکریٹری کے اعلان کے مطابق کوئی بھی ادبی کام جائزہ کمیٹی کے معیار پر پورا نہیں اتر سکا۔ طب کے سلسلہ میں کئی لوگوں کو فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا ان میں سرفہرست ڈاکٹر شیرمان کلوڈ، اور ڈاکٹر فرانسو باری سنوسی اور ڈاکٹر لوک مونتانیہ ہیں۔ ان سب کا تعلق ان فرانسیسی تنظیم سے ہے جس نے ایڈز کے مرض کی دوا ایجاد کی ہے

دوسرے علوم کے سلسلہ میں دو شخصوں کو فیصل ایوارڈ دیا گیا ان میں سے ڈاکٹر "استیفن" (امریکہ) اور برٹ خالیڑ (جرمنی) ہیں۔ یہ حضرات فزکس میں نمایاں خدمات انجام دینے کی وجہ سے انعام کے مستحق قرار پائے ہیں۔

امیر خالد الفیصل کی صدارت میں منعقد ہونے والے جلسہ کے اختتام پر جائزہ کمیٹی کے جنرل سکریٹری عبداللہ بن عثیمین نے ان انعامات کا اعلان کیا۔ (دارالمشرق)

تکبر و خود نمائی

افادات حضرت شیخ الطریقت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ

ایک روحانی مرض جو وبائی شکل اختیار کرچکا ہے

تکبر کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ مال، اولاد، عقل و حسن وغیرہ میں خود کو اوروں سے بڑا اور دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھے۔ ان چیزوں میں تکبر بہت بڑی حماقت ہے اس لیے کہ ان سب چیزوں کے حقیقی مالک تو حق تعالیٰ شانہٗ ہیں اور بندہ کو صرف عارضی طور پر امتحان کے لیے عطا ہوئی ہیں جب وہ چاہیں گے فوراً چھین لیں گے ورنہ کچھ دن بعد تو موت یقیناً ان چیزوں کو چھڑا ہی دے گی پھر تکبر کی گنجائش کہاں ہے۔ انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ گو عارضی طور پر ہیں لیکن پھر بھی تکبر کے یہ اسباب نظر تو آرہے ہیں اور یہ حضرات صرف ان ہی چیزوں میں دوسروں سے فوقیت لے جانے کو کافی و وافی تصور کرتے ہیں حالانکہ دنیاداروں میں سے اکثر حضرات علم و عمل کی دولت میں خود کو اوروں سے کم ہی جانتے ہیں اس لیے اس قسم کی بڑائی کا خیال کم درجہ کا تکبر ہے۔ اور اسی بنا پر بوڑھے زانی اور فقیر متکبر پر حق تعالیٰ شانہٗ کا زیادہ غصہ وارد ہوا ہے کیونکہ ان کے پاس تو جھوٹے اسباب بھی نہیں اور اس پر پھر تکبر کرتے ہیں اور سب سے بڑا تکبر یہ ہے کہ ولی اور بزرگ بننے کی اس بنا پر جھوٹی کوشش کرے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور تقرب میں جو عزت اور بڑائی ہے اس کو دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ بھی مانتے ہیں اور ان فقیروں کی جوتیاں اٹھانے کو فخر تصور کرتے ہیں۔ لہٰذا علم و عمل پر جو تکبر ہوگا وہ بھی سب سے بڑا ہوگا اس میں حماقت کی بھی انتہا ہوجاتی ہے اس لیے کہ مال و اولاد وغیرہ جو دنیاداروں کی بڑائی کے اسباب ہیں وہ فی الجملہ نظر تو آتے ہیں اور علم و عمل کی بزرگی اور بڑائی کے اسباب تو نظر بھی نہیں آتے محض گمان ہی گمان ہے کیونکہ عمل کے قبول و عدم قبول کی تو کسی کو خبر بھی نہیں ہے یہ تو محض اللہ تعالیٰ کی مرضی اور فضل پر ہے کوئی بڑے سے بڑا بزرگ بھی اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق قابل قبول نہیں کہہ سکتا نیز قبولیت کی کسی کے پاس اطلاع بھی نہیں بلکہ جتنی کسی کو معرفت ہوگی اتنا وہ اپنے عمل کو حقیر سمجھے گا اور ڈرے گا۔ اگر کبھی بطور شکر یہ کسی کے دینی نفع کے لیے اپنے کسی عمل یا حالت کو ظاہر کرے گا تو اس کے ساتھ عجز و تواضع ہی کا اظہار ہوگا تکبر نہ ہوگا اور ایک تکبر اس سے بڑھ کر ہے وہ تواضع کی شکل میں ہے یعنی انسان کو تواضع کی صفت سے موصوف اور اس میں اوروں سے بڑھا ہوا سمجھے اس کو اپنے متکبر ہونے کا وہم تک نہیں ہوتا اس لیے یہ تکبر محض شدید سے شدید تر ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب کے خط میں اس مصرعہ نے مجھے سر سے پاؤں تک ہلا دیا۔ ع

"او بناز عجبے من بنیاز عجبے"

پھر تکبر کبھی صرف دل میں ہوتا ہے۔ یہ استکبار کہلاتا ہے، کبھی زبان سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس کو فخر اور شیخی جتانے والا کہتے ہیں یہ سب حرام ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝

تکبر کی ایک نہایت بدترین خصوصیت

تکبر اپنے معنیٰ اور تعریف کی رو سے تو بالکل واضح ہے یعنی خود کو اوروں سے اونچا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر جاننا لیکن جنون کی بیماری کی طرح اس کی بھی ایک عجیب خاصیت ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح جنون والا خود کو مریض نہیں جانتا بلکہ دوسروں کو ہی مجنون سمجھتا ہے اسی طرح دنیا میں کوئی متکبر خود کو متکبر نہیں سمجھتا بلکہ جتنا کسی کے اندر یہ مرض ہوتا ہے اتنا ہی وہ اپنے سے اس کی نفی کرتا ہے اور بے فکر ہوتا ہے مجنون تو عقل کے زائل ہونے کی وجہ سے معذور ہوتا ہے لیکن متکبر معذور نہیں کیونکہ یہاں مرض کا احساس نہ ہونے کی وجہ عقل کا فتور نہیں ہے بلکہ بے فکری اور بے التفاتی ہے جو معاف نہیں ہے اور یہی حال موت کا بھی ہے کہ اعتقاد و یقین کے باوجود موت سے ایسی غفلت اور بے فکری ہے کہ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ موت محض افسانہ ہے یا دوسروں کو آیا کرتی ہے ہمیں تو کبھی بھی نہ آئے گی یا کم از کم فی الحال اور فوراً تو آ ہی نہیں سکتی۔ برسوں کے بعد جب کبھی آئے گی اس وقت دیکھ لیں گے ابھی سے فکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے موت ہر وقت سر پر سوار ہے اس کی فکر ہر وقت رہنی چاہیے۔ موت کو یاد نہ کرنا ہی دل کی سختی طول امل اور ساری غفلتوں کی جڑ ہے۔ اسی طرح تکبر بھی بالکل ظاہر ہے کہ یہ اپنے معنی اور تعریف کی رو سے بالکل واضح ہے یعنی خود کو اوروں سے اونچا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر جاننا لیکن انسان کو اس کا احساس قطعاً نہیں ہوتا جس کی وجہ بے فکری اور اپنی حالت پر توجہ نہ کرنا ہے اور التفات کی ضرورت اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ تکبر کی حقیقت ہی یہ ہے کہ آدمی اپنے تمام افعال و اعمال اور افکار و خیالات کو اچھا سمجھے۔ جب اچھا ہی سمجھ رہا ہے تو فکر کی کیا ضرورت۔ جب تک کہ علامات پر غور نہ کرے یا کوئی دوسرا دوست متنبہ نہ کرے پتہ نہیں چلتا کیونکہ دوسروں پر تو یہ خصلت اکثر بہت جلدی ظاہر ہوجاتی ہے جیسا کہ جب کوئی غصہ میں یہ کہتا ہے کہ تو جانتا نہیں میں کون ہوں؟ ان الفاظ سے کبر بالکل ظاہر ہے۔ اسی طرح آواز کے اندر بھی محسوس ہوجاتا ہے۔ بلکہ چال، چہرہ کے خط و خال اور حرکات و سکنات سے تکبر صاف ٹپک پڑتا ہے جس سے وہ شخص سمجھدار انسان کی نظروں میں تو گر ہی جاتا ہے البتہ بیوقوفوں پر وقتی طور پر تھوڑا سا رعب پڑ جاتا ہے لیکن اس کا ان کے دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اہل تواضع کا جو رعب اور وقار ہوتا ہے اس کا دل پر اثر پڑتا ہے۔ محبت و کشش کے ساتھ عظمت و ہیبت ہوتی ہے۔ اس لیے ہم سب کو چاہیے کہ اپنے کو مریض سمجھ کر علامات تکبر کو غور سے پڑھ کر علاج کا فکر کریں۔ اب چند علامات لکھ کر پھر علاج کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

• کبر اور خود پسندی ایک قلبی مرض ہے جس کا اثر یہ ہے کہ آدمی کو اپنی رائے یا اعتقاد کے مقابلہ میں امر حق کو قبول کرنے سے نفرت ہوتی ہے۔

• دوسروں کے اعتقاد و خیال، رائے و قیاس، صورت و لباس کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔

• شرعی ضرورت کے بغیر دوسروں کی برائی یا عیب و نقص کی بات بیان کرتا ہے یا رغبت سے سنتا ہے کبھی ظاہر میں کہہ بھی دیتا ہے کہ غیبت نہ کرو مجھ کو اچھی نہیں لگتی۔ لیکن اندر سے دل یہی چاہتا ہے کہ یہ میری بات نہ مانے بلکہ اپنی بات سنائے جائے۔

• تواضع کا کوئی کام کرکے یہ خیال کرنا کہ میں نے تواضع اختیار کی ہے یہ بھی تکبر کی علامت ہے کیونکہ متواضع کو تو اپنی تواضع کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی۔ یعنی سوچنا کہ میں تو بڑا آدمی ہوں یہ کام میں نے اختیار کرنے کی وجہ سے اپنی حیثیت سے کم درجہ کا کیا ہے۔ یہی تو کبر ہوا۔ اگر اندر بڑائی کا تصور نہ ہوتا تو وہ کام تواضع کا معلوم نہ ہوتا۔ جیسے کوئی غریب و فقیر آدمی زمین پر بیٹھے تو اس کو کوئی متواضع نہ کہے گا نہ وہ اپنے کو متواضع کہہ سکتا ہے لیکن اگر کوئی امیر آدمی زمین پر بیٹھنے کو تواضع کا کام سمجھتا ہے تو ظاہر ہے کہ اپنی بڑائی پیش نظر سمجھتا ہے اور یہی کبر ہے۔

• اپنی شہرت کے اسباب اختیار کرنے والا اور گمنامی سے بچنے والا ہر وقت عزت و وقار کی فکر کرنے والا آدمی بھی متکبر ہے۔ اپنی اصلاح کے واسطے ایک متکبر کے لیے اپنے اندر اس علامت کو محسوس کرنا مشکل نہیں ہے۔

• اپنے ساتھ امتیازی معاملہ چاہنے والا یعنی گفتگو کرنے میں، بٹھانے اٹھانے میں اور دیگر لین دین کے معاملات میں اگر اس کی حیثیت کے مطابق کوئی معاملہ نہیں کرتا تو اس کا دل تنگ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دل کی تنگی کی وجہ اپنی حیثیت پر نظر ہی ہے۔

• سب سے بڑا متکبر اور فقیری کے راستہ کا ناکام بلکہ اس راستے کا الٹا چلنے والا وہ صوفی ہے جو اپنے متعلق مشائخ سے خلافت و اجازت کی خواہش اور امید رکھتا ہو۔

• اپنے تقویٰ اور دینداری کی مجموعی حالت کے لحاظ سے غیر متوازن طور پر چھوٹی چھوٹی جزئی باتوں میں پاک ناپاک، حرام حلال کا بہت شور کرنا، اسی طرح فرائض کی غفلت کے باوجود مستحبات پر زور و شور دکھلانا، چنانچہ اکمال میں لکھا ہے کہ واجبات کی ادائیگی میں سستی اور نفلی عبادات میں مسارعت کرنا نفس کے اتباع کی علامت ہے۔ اسی طرح کوئی دوسرا ان کے مصلے پر پیر رکھ دے یا لوٹا استعمال کرلے تو بس وہ ناپاک ہوجاتا ہے۔ محض شبہ پر کسی کا کھانا حرام اور اس کے پیچھے نماز ناجائز ہوجاتی ہے۔ اس قسم کی علامتیں خصوصیت کے ساتھ ان قاری حضرات میں پائی جاتی ہیں جو فن میں مہارت حاصل کرلیتے ہیں لیکن کسی بزرگ سے اصلاح نہیں کرواتے۔

اجازت مرحمت ہو تو ایک بات اور بھی عرض کرنے کو جی چاہتا ہے جس کا یاد رکھنا قراء کے لیے بہت زیادہ مفید ہے کہ حدیث میں جو عمدہ آوازوں سے تلاوت کرنے کا شوق دلایا ہے اس خوش آوازی کی تفصیل بھی دوسری حدیث میں آئی ہے کسی نے آپ سے پوچھا کہ عمدہ آواز سے پڑھنے والا کون ہے؟ فرمایا: کہ جب تم اسے تلاوت کرتے دیکھو تو تمہیں یہ معلوم ہو کہ یہ اللہ سے ڈر رہا ہے۔

بندہ نے اپنے بزرگوں کو قرآن پاک کی تلاوت میں بکثرت روتے ہوئے بارہا دیکھا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں بھی ان کی اس صفت سے اور دوسری تمام صفول سے متصف ہونا نصیب فرمائے۔ آمین۔

تکبر کی ایک علامت یہ ہے کہ بعضوں کی چال فیشن میں آکر ایسی ہوجاتی ہے جیسے لقا کبوتر کہ اپنی دم سنبھال سنبھال کر حرکت کرتا ہے ایسی چال پر لوگ چلتے ہیں۔ قدم قدم پر دیکھتے جاتے ہیں کہ کہیں سے فیشن تو نہیں بگڑ گیا غترہ کی نوک اور شیروانی کی کریز کا ہر وقت خیال رہتا ہے نماز میں بھی ہر وقت اس کی فکر رہتی ہے اور بار بار ٹھیک کرکے نماز بھی خراب کرلیتے ہیں۔ تکبر کی بعض شاخوں کا اپنے اندر معلوم کرنا آسان ہے۔ مثلاً غصہ، حسد، بغض، ریا، بدگمانی وغیرہ۔ کچھ علامتیں تنبیہ اور علاج کے بیان میں آئیں گی۔ بعینہٖ یہی حالت موجودہ زمانہ کے اکثر و بیشتر خطیبوں، عالموں اور مشائخ کی ہے۔ اسی فیشن کے لیے لباس کا ٹخنوں سے نیچے تک پہننا اور کسی نوجوان صالح کو سنت کے شوق میں نصف ساق تک پہنے دیکھے تو مسکرا دینا، کئی صاحب علم کو ایسا مسکراتے دیکھا۔ صاحب علم حضرات جانتے ہیں کہ یہ کتنی سخت بات ہوسکتی ہے۔ ظاہری گناہ کے لحاظ سے ڈاڑھی کا منڈانا ایک مشت سے کم کرنے سے اشد ہے۔ مگر یہ مرض کبر اکثر خشخشی ڈاڑھی والوں میں نسبتاً زیادہ پایا جاتا ہے اور وہ اس ڈاڑھی کو کسی وجہ سے رکھ تو لیتے ہیں یا کسی مجبوری سے منڈا نہیں سکتے مگر ہر وقت اس کی تزئین کا فکر رہتا ہے۔ خصوصاً راستہ چلتے اور نماز میں یہ فکر بہت سوار ہوتا ہے کہ ایک چھوٹا سا بال بھی ادھر ادھر نہ ہوجائے بار بار اس کو ہاتھ سے دبایا جاتا ہے خواہ نماز میں بجائے اس دھوبیہ حرکت کرکے نماز کو خراب کرنا پڑے۔

دیگر علامات میں مثلاً نوافل عبادات کی مسارعت کرنا اور واجبات کی بجاآوری میں سستی کرنا مثلاً صوفیوں میں اس طرح کہ ذکر مراقبہ وغیرہ میں بہت پابندی کرنا یہاں تک کہ رات کو دیر تک وظائف میں مشغول رہ کر صبح کی نماز کے وقت سوئے رہنا یا بغیر جماعت کے نماز پڑھ لینا اپنے اندر قضا نمازوں کو ادا کرنے اور گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے میں سستی کرنا۔ نمبر۲ اور علماء میں اس طرح کہ وعظ تبلیغ، تصنیف، تالیف میں نام پیدا کرنے والے اعمال میں خوب کوشش کرنا اور خود اپنی اصلاح کی فکر نہ کرنا۔ نمبر۳ اور طلباء میں نماز، روزہ، پاکی، ناپاکی، بیع و شراء کے مسائل جن کو معلوم کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اس کی تو پرواہ نہ کرنا نہ تو عربی کی بڑی کتب فقہ سے ان کو سمجھنا کہ اس قسم کے طلباء میں اتنی استعداد ہی نہیں ہوتی اور نہ ہی تعلیم الاسلام اور بہشتی زیور وغیرہ سے ان ضروری مسائل کو یاد کرنا بلکہ اکابر کی تعلیمی اور اصلاحی کتب کو محض اردو میں ہونے کی وجہ سے دیکھنا اپنی شان کے خلاف سمجھنا اور جو علوم ضروری علوم کے بعد حاصل کرنے چاہیے تھے مثلاً منطق، فلسفہ، ادب، تاریخ وغیرہ ان میں خوب محنت کرنا۔ اسی طرح تجوید قراءت کے نام سے آواز بنانے کے لیے آدھی آدھی رات کو اٹھ کر گھنٹوں مشق کرنا خواہ مخارج اور حروف کی صفات و قواعد تجوید میں کمی زیادتی کرنا پڑ جائے۔ حالانکہ یہ معلوم نہیں کہ کن باتوں سے ایمان ختم ہوجاتا ہے کن باتوں سے نماز فاسد ہوجاتی ہے یا سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ معاملات معاشرت میں میرے اوپر کیا فرائض ہیں۔ رہا باطنی اخلاق ان کی اچھائی برائی تو کسی پر ظاہر ہی نہیں ہوتی۔ ناموری چاہنے والے کو اس کی کیا ضرورت۔ نمبر۴ اور عوام میں خدمت خلق اور خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا لیکن اپنی آمدنی میں حرام حلال کی پرواہ نہ کرنا، فرض ادا کرنے کی فکر نہ کرنا اپنے ماں باپ، بہن بھائی، رحم کے رشتوں کی خدمت میں سستی کرنا بلکہ قطع رحمی تک کو گوارہ کیے رہنا۔ ان سب مثالوں میں غیر اہم کاموں کو فرائض پر مقدم کرنا یا تو ناموری و شہرت کے جذبہ سے ہوتا ہے یا جہالت سے ہوتا ہے۔

جن علماء کی ان کے علوم و فنون کی وجہ سے شہرت ہوجاتی ہے اور وہ بڑے عالم کے نام سے مشہور ہوتے ہیں ان سے اگر کوئی نماز روزہ کا خصوصاً حج کا مسئلہ پوچھے تو خواہ یاد ہو یا نہ ہو وہ ضرور اس کا جواب اپنی عقل سے بلا تکلف دے دیتے ہیں۔ ان کو یہ کہنا بہت گراں ہوتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم، کسی اور سے پوچھ۔ آخرت کا وبال لینا سہل معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ انکار کرنے میں کوئی سبکی کی بات نہیں تھی۔ غلط بتانے میں جہالت، آخرت کی جواب دہی سے غفلت اور تکبر کی علامت ہے۔

ضروری تنبیہ

ان مثالوں میں غور کرنے سے تکبر کا پتہ چل سکتا ہے۔ لیکن یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اس طرح کا غور و فکر صرف اپنے بارے میں کرے اور خود کو متکبر جان کر زندگی بھر اس کے علاج کی طرف متوجہ ہو لیکن دوسروں کے بارے میں علامات کی تلاش میں نہ لگے اور ان کو متکبر نہ سمجھے کیونکہ اس صورت میں یہ خود ہی اس مرض کا شکار ہوجائے گا۔ دوسروں کی عیب بینی ایک مستقل بیماری ہے اور اس انمول نصیحت کو پوری طرح یاد رکھے جو حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے کی تھی چنانچہ سعدیؒ فرماتے ہیں:

مرا پیر دانائے روشن شہاب
دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش
دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

یعنی میرے روشن ضمیر پیر شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ نے کشتی میں بیٹھے ہوئے مجھے دو نصیحتیں فرمائی تھیں۔ ایک یہ کہ اپنے بارے میں کبھی خود بینی میں مبتلا نہ ہونا اور خود کو اوروں سے بہتر تصور نہ کرنا اور دوم یہ کہ دوسروں کے بارے میں بدبین اور ان کو حقیر و ذلیل سمجھنے والے نہ بننا۔ یہ نصیحت نہایت اہم اور قدر کے لائق ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ اپنے عیب پر نظر کرنا تمہیں غیروں پر نظر کرنے سے روک دے۔

بقیہ: زبان و ادب کی اہمیت

...... ہمارے عزیز مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب تشریف رکھتے ہیں جو ہندوستان کے ایک بڑے ترجمان قرآن ہیں، اور مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی بھی موجود ہیں، یہ آپ ہی کی درسگاہ کے فاضل ہیں اور اس وقت ایک بڑے ادارہ کو چلا رہے ہیں، ایک رسالہ بھی ہے اور ادارہ بھی ہے، اور دوسرے تحقیقی مضامین بھی لکھتے ہیں، اور آپ کے دوسرے اساتذہ بھی موجود ہیں اور امید ہے کہ ان لوگوں کی موجودگی باعث برکت ہوگی، اور آپ کے لئے ذریعہ استفادہ بھی ہوگی۔

بقیہ: سوال و جواب

کہ صحابۂ کرام اور تابعین کے زمانہ میں فجر، جمعہ یا کسی اور نماز کے بعد سلام پڑھنے کا التزام کیا گیا ہو لہٰذا بعد نماز فجر و جمعہ یا کسی اور نماز کے بعد سلام پڑھنا بدعت ہے۔ جس کی شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہیں۔

س:- ایک عورت کے پاس کچھ زیورات تھے اس نے ان زیورات کو بیچ کر ایک گھر بنایا عورت کے تین لڑکے ہیں اس نے مکان دو میں تقسیم کردیا اور ایک کو نہیں دیا کیا یہ از روئے شرع درست ہے؟

ج:- ایسا کرنا شرعاً مکروہ ہے اسے چاہئے کہ تینوں میں برابر برابر تقسیم کردے اگر ان دو لڑکوں کو گھر پر قبضہ نہیں دیا ہے تو وہ گھر ابھی اس عورت ہی کی ملکیت میں ہے لڑکوں کا نہیں ہے۔

دعائے مغفرت

جناب مولانا خالد صاحب ندوی استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بڑے ابا جناب شمس الحق صاحب صدیقی کے انتقال کی خبر موصول ہوئی ہے، موصوف لاہور میں قیام پذیر تھے، اور ایک عرصہ سے فالج کی وجہ سے تقریباً صاحب فراش تھے، تمام قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

امریکی سماج کے رِستے ناسور

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

عبدالحفیظ ندوی ازہری

پچھلے دنوں امریکی ریاست ٹکساس کے علاقہ واکو سے یہ اطلاع ملی تھی کہ وہاں ڈیوڈ کورش اور اس کے ماننے والوں کو۔ جن کی تعداد چھیاسی تھی۔ ایف بی آئی اور امریکی وزارت انصاف کے ماتحت کام کرنے والوں (اے ٹی ایف) نے ایک مسلح حملہ میں ہلاک کر دیا، امریکی صدر کلنٹن نے اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ایف بی آئی کو ہدایت کی کہ وہ آئندہ مسلح اقدام کرنے میں احتیاط سے کام لے تاکہ انسانی جانوں کا نقصان نہ ہو۔ امریکی میڈیا نے اس خبر کو زیادہ اہمیت اس لئے نہیں دی کہ امریکی سماج کو ڈیوڈ کورش اور اسکی مسلح جماعت سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

اردو داں قارئین کی واقفیت کے لئے ڈیوڈ کورش اور اس کے گروہ کے متعلق بعض معلومات پیش کی جارہی ہیں تاکہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ مغربی پریس شب و روز جس فنڈامنٹلزم کا رونا رو رہا ہے اور اس کے پردے میں اسلام اور مسلمانوں کو بدنام اور پوری آزاد دنیا کے سامنے وقت کا سب سے بڑا چیلنج اور جمہوریت کے لئے سنگین خطرہ کا ہوّا کھڑا کر رہا ہے وہ خود اس کے گھر کے اندر نصف صدی سے زیادہ مدت سے موجود ہے اور اب ڈیوڈ کورش اور اس کی جماعت کی صورت میں نہیں ایسی پانچ ہزار تشدد پسند تنظیمیں امریکہ کے طول و عرض میں موجود ہیں، جو عیسائیوں، یہودیوں، بدھسٹوں اور ریسزم سے متعلق ہیں۔ ان سب تنظیموں کے پاس جدید ترین اسلحے نیز بہترین افراد ہیں جو کسی وقت بھی اپنے رہنماؤں کے اشارے پر بڑی سے بڑی قربانی دینے کیلئے تیار رہتے ہیں، اسی طرح کی ایک تنظیم کا انکشاف جونز ٹاؤن میں ۱۹۷۸ء میں ہوا تھا، جب اجتماعی طور پر مردوں، عورتوں اور بچوں نے خودکشی کرلی تھی، اب تازہ ترین حادثہ ڈیوڈ کورش کا پیش آیا اور عین اس وقت یہ حادثہ ہوا جب امریکی میڈیا نیویارک کے تجارتی مرکز کے دھماکے کو مسلم فنڈامنٹلسٹوں کی سوچی سمجھی سازش کے طور پر پیش کر رہا تھا اور امریکی سماج کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر مسلم فنڈامنٹلسٹوں کو امریکہ میں پھیلنے پھولنے کا موقع دیا گیا تو امریکیوں کی آزادی ختم ہو جائے گی۔ لیکن ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ آئندہ سطور میں اسی قصور اور امریکی معاشرہ کے ہزاروں رستے ناسوروں میں سے ایک ناسور سے نقاب اٹھانے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ قارئین کو اس پردے کے اندر امریکی سماج کا وہ داغدار اور مکروہ چہرہ نظر آجائے جس کو سیاہی کے دبیز پردوں کے اندر چھپانے کی بھونڈی کوشش کی جارہی ہے۔

ڈیوڈ کورش کی جماعت کا پس منظر اور اسکی ابتدائی تاریخ کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے ۶۰ سال قبل اس جماعت کی تشکیل اس وقت عمل میں آئی تھی جب لاس انجلیس میں عیسائیوں کے دو مقامی مذہبی گروہوں کے درمیان اس بات پر اختلاف ہو گیا کہ حضرت مسیح کا ظہور کب ہوگا۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ اس دنیا کا خاتمہ جلد ہی ہونے والا ہے، اور حضرت مسیح کا ظہور بھی جلد ہوگا، دوسرا گروہ حضرت مسیح کا قائل ہی نہیں تھا، اول الذکر گروہ کا داعی اور بانی وکٹر ھاوٹف تھا جو اصلاً بلغاریہ کا مہاجر تھا اور لاس انجلیس میں آکر مقامی گرجا گھر میں وعظ و نصیحت کے کام پر مامور ہو گیا تھا لیکن وکٹر کو لاس انجلیس چھوڑنے پر اس وقت مجبور ہونا پڑا جب کلیسا کے ذمہ داروں نے اسکی کتاب پر اپنے غم و غصے کا اظہار کیا، اس کتاب میں وکٹر نے کلیسا پر الزام لگایا کہ ارباب کلیسا حضرت مسیح کی زندگی کے عقیدے سے دستبردار ہو گئے ہیں جبکہ ان کی اس دنیا میں آمد کا وقت بہت قریب ہے، مذہبی امریکی سماج کو اخلاقی عیوب سے پاک کریں گے، وکٹر نے لاس انجلیس چھوڑ کر ٹکساس کو اپنا مرکز بنایا اور واکو میں ایک کمپلکس کی بنیاد ڈالدی تاکہ وہ سب سے الگ تھلگ ہوکر اپنی دعوت کا کام آزادی سے کر سکے، ٹکساس میں رہ کر وکٹر نے کلیسا کے خلاف منظم تحریک چلائی، اپنی شعلہ بیانی اور پرکشش شخصیت کی بنا پر وکٹر نے نوجوانوں کو خاص طور سے متاثر کیا اور اچھی خاصی تعداد اس کے ساتھ ہوگئی۔ ۱۹۵۵ء میں وکٹر کی موت ہوگئی جس سے اس تحریک کو نقصان پہونچا، مگر اس نقصان کی تلافی وکٹر کی بیوہ نے کردی، اس نے ۱۹۵۹ء میں یہ اعلان کرایا کہ ایسٹر کے موقع پر حضرت مسیح کا ظہور ہوگا، ان کی آمد کے بعد ہی قیامت آجائیگی، اس اعلان کے ہوتے ہی اس جماعت کے پیروؤں نے اپنی تمام چیزیں فروخت کردیں کہ دنیا فنا ہونے والی ہے۔ اس کام سے فارغ ہوکر پورے امریکہ سے گروہ کے ماننے والے واکو (ٹکساس) آگئے تاکہ قیامت کی آمد کا انتظار کریں، تمام لوگ بڑی بے تابی سے اس دن کا انتظار کر رہے تھے، قرب قیامت کی نشانی کو یہ لوگ آسمان کے افق پر ریڈیو اور ٹی وی کی خبروں میں تلاش کر رہے تھے کہ شاید دنیا کے کسی خطے خصوصاً مشرق وسطی سے کسی جنگ پھر امریکی فوجوں کی مداخلت کی خبر آجائے، لیکن پیشینگوئی جھوٹ ثابت ہوگئی تو وکٹر کی جماعت کے عقیدت مندوں کی بڑی تعداد جماعت سے برگشتہ ہوکر واپس اپنے اپنے شہروں کو چلی گئی، صرف پچاس آدمی ایسے باقی رہ گئے جن کی عقیدت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، البتہ قیادت میں تبدیلی ہوئی اور بنیامین نامی شخص نے قیادت سنبھالی، ۱۹۷۸ء میں بنیامین کے انتقال کے بعد اسکی بیوی نے قیادت کا خلا پر کیا۔

۱۹۸۴ء میں ڈیوڈ کورش نے اس جماعت کی رہنمائی اور قیادت سنبھال لی، ڈیوڈ کورش کا اصلی نام ویرنن ہول تھا جو اس نے تبدیل کر لیا تھا۔ ڈیوڈ کورش نے واکو میں ۸ ایکڑ زمین پر نئے کامپلکس کی تعمیر کر کے اپنے پیروکاروں کو فوجی تربیت دینے کا کام شروع کردیا، غیر معمولی جسمانی محنت اور ورزشوں کے علاوہ مختلف قسم کے جدید ترین ہتھیاروں کو چلانے کی بھی تربیت دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ انجیل کے سینکڑوں صفحات کو یاد کرنا بھی فرائض میں شامل تھا۔ ڈیوڈ نے یہ ہدایت بھی جاری کی کہ کوئی شخص ریڈیو اور ٹی وی سے دل نہ بہلائے، گوشت اور شراب سے پرہیز کرے، عورتوں سے جسمانی تعلقات کو اس نے ممنوع قرار دے دیا۔ اور نہ ہی کمپلکس میں یتیم بچوں کے والدین بچوں کا برتھ ڈے منا سکتے ہیں۔ مالیات کی فراہمی چندے سے ہوتی تھی۔ بعض ارکان نے لاکھوں ڈالر کے چندے دیئے، ڈیوڈ کورش نے اپنی پرکشش شخصیت اور چرب زبانی کا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے اپنے پیروؤں کے اندر ایثار و قربانی اور اطاعت و انقیاد کا غیر معمولی جذبہ پیدا کر دیا۔ اس نے بطور امتحان کے بعض لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے کو ذبح کرلیں، بلندی سے چھلانگ لگائیں، اپنے کمسن بچے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کردیں، یہ لوگ بلا چون و چرا ڈیوڈ کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیتے تھے، ڈیوڈ نے اپنے ماننے والوں سے ایثار و قربانی کا غیر معمولی مطالبہ کیا لیکن خود اس نے اپنے لئے کوئی پابندی نہیں رکھی، شراب و شباب اور لاتعداد عورتوں، حتی کہ کمسن بچوں اور بچیوں سے لطف اندوزی میں وہ آزاد تھا۔ اور کوئی اس پر انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ الزبتھ نامی خاتون نے جو برسوں ڈیوڈ کے ساتھ رہی تھی، ڈیوڈ کی سرگرمیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا رسول تھا۔ ہم کو کوئی حق نہیں کہ اس کے اعمال و افعال پر تنقید کریں۔

ڈیوڈ کورش واکو میں موجود خواتین سے تو لطف اندوز ہوتا ہی تھا، وہ ہر ماہ کیلیفورنیا میں اپنے ایک دوسرے مرکز بھی جایا کرتا تھا، جہاں پولیس کے بقول خواتین کا کمپلکس تھا، اس کمپلکس میں بعض لڑکیوں کی عمریں ۱۲ سال اور بعض کی ۱۴ سال تھی۔ ایک امریکی جس نے اپنی دس سالہ بچی کو ڈیوڈ کے حوالہ کر دیا تھا کہ وہ اس کو اپنے مصرف میں لائے، اور جیسا چاہے معاملہ کرے، کہتا تھا کہ ہم ڈیوڈ کے ان تصرفات پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کہ وہ تنقید سے بالاتر ہے، اصل قضیہ تو یہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے، ہم کو اسے اس پیمانے سے ناپنا چاہئے۔

خود ڈیوڈ کورش کی زندگی کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی پیدائش ۱۹۵۹ء میں ہوسٹن میں ہوئی، ڈلاس شہر میں اس کی نشوونما ہوئی، بچپن ہی سے ڈیوڈ کو انجیل یاد کرنے کا شوق تھا، صفحے کے صفحے وہ آیتوں کو زبانی سنا دیتا تھا۔ نویں کلاس تک پڑھ کر ڈیوڈ نے تعلیم کو خیرباد کہہ دیا، اس لئے کہ لوگ اسکی دینی معلومات اور چرب

زبانی سے متاثر ہونے لگے تھے، اس کے اندر وجاہت کے علاوہ غیر معمولی کشش بھی تھی، بعض اوقات صبح سے رات کے گیارہ بجے تک بلا تکان تقریر کرتا تھا، اس کے سامعین اس کی تقریروں سے ایسے مسحور ہو جاتے کہ کھانے پینے کا ہوش بھی انکو نہ رہتا، ۲۱ سال کی عمر میں ڈیوڈ نے ٹکساس کے شہر ٹیلر میں رہائش اختیار کرلی وہاں کے مقامی کلیسا کا سرگرم رکن بن گیا، لیکن وہاں کے پادریوں کو ڈیوڈ کی بے سروپا باتیں، بڑے بڑے بے ہنگم بال اور عجیب و غریب لباس پسند نہ آئے، جب ڈیوڈ نے محسوس کیا کہ کلیسا والے ان پر تنقید کر رہے ہیں تو اس نے واکو میں قائم وکٹر کی جماعت ڈیوڈ گروپ سے رابطہ قائم کرلیا۔ اس وقت بنیامین کی بیوی اس جماعت کی رہنما تھی، ڈیوڈ نے اس بیوہ سے ناجائز تعلقات قائم کئے بعد میں اس سے شادی کرلی اور جماعت کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی، اس موقع پر ڈیوڈ کورش نے اعلان کیا کہ وہ حضرت مسیح کا ذاتی نمائندہ ہے، اس کے پاس لوگوں کے تمام سوالوں کے جوابات موجود ہیں۔ اور اس کے تمام اقوال و افعال خدا کے حکم کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ڈیوڈ نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ عنقریب ہی یہ دنیا فنا ہو جائے گی، ڈیوڈ نے یہودیوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی اگر وہ اپنے عقیدے کو ترک کر دیں گے تو پوری دنیا میں انقلاب آجائے گا، پھر اس جنگ کا آغاز ہو جائے گا جس میں امریکی فوجیں مداخلت کریں گی اور وہ بیت المقدس اور فلسطین سے یہودیوں کے علاوہ تمام قوموں کو نکال دیں گی، یہ جنگ خیر و شر کے درمیان فیصلہ کن اور آخری جنگ ہوگی، ڈیوڈ کورش کی یہ پیشینگوئی ثابت نہ ہو سکی تو اس نے مایوس ہوکر اپنے منصوبے کے دوسرے جز کی تکمیل کی طرف اپنی تمام صلاحیتوں کا رخ موڑ دیا۔

ڈیوڈ نے اپنے رفقاء کے ساتھ ٹکساس و کیلیفورنیا اور واکو کا تفصیلی دورہ کیا، ٹکساس میں فلسطین نام کا ایک شہر اور جبل کرمل نامی ایک پہاڑ ہے، وہاں ڈیوڈ ایک سال تک اپنے رفقاء کے ساتھ رہا، وہاں سے واکو واپس آکر ۱۹۸۸ء میں اپنے کمپلکس کے ارد گرد مسلح پہرے بٹھا دیئے۔ ۱۹۸۹ء میں ڈیوڈ کورش نے اعلان کیا کہ اس کو آسمان کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ جب چاہے اور جتنی تعداد میں چاہے عورتوں سے تعلقات قائم کر سکتا ہے، دوسرا اعلان ڈیوڈ نے یہ کیا کہ اس کے جتنے ماننے والے شادی شدہ لوگ اس کمپلکس میں موجود ہیں وہ اپنی شادیاں منسوخ کرادیں۔ اس اعلان کو بعض لوگوں نے دل و جان سے قبول کیا اور اپنی بیویاں ڈیوڈ کے حوالہ کر دیں بعض لوگ ناراض ہو کر چلے گئے۔ ان ناراض ہونے والوں میں مارک نامی شخص بھی تھا جس نے ٹکساس چھوڑ کر آسٹریلیا کا رخ کیا، وہاں اس نے ایک طرف تو ڈیوڈ کے خلاف تحریک چلائی دوسری طرف اپنے آدمیوں کو واکو بھیج کر امریکی حکام کو ڈیوڈ کے خلاف ایکشن لینے کے لئے آمادہ کرنے کا کام شروع کر دیا، واکو کے مقامی حکام کو جو رپورٹیں ڈیوڈ کورش کے متعلق موصول ہوئیں ان سے یہ معلوم ہوا کہ ڈیوڈ کورش کمسن بچوں کو ہولناک جسمانی سزائیں دیتا ہے، بچوں کے ساتھ بدفعلی اور انکو ذبح کرنا یہ اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس بدنامی سے بچنے کے لئے اس نے ۱۹۹۰ء میں اپنا نام تبدیل کر لیا تھا۔ واضح رہے کہ کورش اس بادشاہ کا فارسی نام ہے جس کو عبرانی زبان میں سائرس کہا جاتا ہے، اور جس نے یہودیوں کو بابل کی اسیری سے رہائی دلائی تھی اور ان کو فلسطین جانے کی اجازت دی تھی۔ جب ڈیوڈ کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ لوگ اس کے کرتوتوں سے تنگ آچکے ہیں اور حکام بھی بار بار اس کو وارننگ دے چکے ہیں، اس کے علاوہ اس کے مرکز کی نگرانی بھی کی جارہی ہے تو اس نے لوگوں کی توجہ ہٹانے کیلئے ایک نیا شوشہ یہ چھوڑا کہ یہ دنیا جلد ہی ختم ہو جائے گی اس اعلان کی بڑے پیمانے پر ریڈیو اور ٹی وی سے تشہیر کی گئی، کمپلکس میں موجود تمام لوگوں کو مزید تفصیلات سے مطلع کر دیا گیا تاکہ وہ اس عالم کے فنا ہونے کے بعد نئی زندگی گذارنے کے لئے اپنے کو تیار کر سکیں۔

(باقی ص ۲۳ پر)

انسانی ایٹم بم

محمد مسعود حسنی ندوی

مقبوضہ عرب علاقہ میں حماس تحریک کی کوششوں کے نتیجہ میں اسلامی بیداری کی جو لہر دوڑ گئی ہے اور حق کے حصول کے لئے قربانی دینے کا جو جذبہ پیدا ہو گیا ہے اس سے زیادہ یہودی اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ اس علاقہ میں مسلم آبادی کا تناسب روز بروز بڑھتا جا رہا ہے، تنہا غزہ پٹی میں دسمبر ۱۹۸۷ء میں آزادی کی اس تحریک کے دوران پیدا ہونے والے بچوں کی جو تعداد سامنے آئی ہے وہ (۴۱۵۸۸) ہے جبکہ اس مدت میں صیہونی طاقت سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہونے والوں کی تعداد (۴۰۳) تک پہونچتی ہے۔ اس اعداد و شمار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سرزمین فلسطین سے جب ایک مسلمان شہید ہوکر اپنے پروردگار کے حضور جاتا ہے تو وہاں سے (۲۶۷) کی تعداد میں مجاہدین اس کی جگہ لینے کے لئے پہونچ جاتے ہیں۔

رشاد المدنی اور زیاد ابو صالح نے مقبوضہ علاقہ میں اعداد و شمار کا جو کام کیا ہے اس کو انہوں نے مختلف زمانوں کے اعتبار سے اس طرح تقسیم کیا ہے۔

۹-۱۲-۱۹۸۷ء تا ۳۱-۱۲-۱۹۸۷ء ——— ۱۴۰۷ بچے

۱-۱-۱۹۸۹ء تا ۳۱-۱۲-۱۹۸۹ء ——— ۳۲۴۶۳ بچے

۱-۱-۱۹۹۰ء تا ۳۱-۱۲-۱۹۹۰ء ——— ۳۳۱۴۴ بچے

۱-۱-۱۹۹۱ء تا ۳۱-۱۲-۱۹۹۱ء ——— ۳۶۳۶۴ بچے

۱-۱-۱۹۹۲ء تا ۳۱-۱۲-۱۹۹۲ء ——— ۳۸۰۰۰ بچے

صرف غزہ پٹی میں رہنے والوں کی تعداد دسمبر ۱۹۹۲ء ([illegible]) سے (۱۰۰۰۰۰۰) تک پہونچ گئی ہے۔

اسرائیلی وزیر خارجہ شمعون پیریز نے یہودیوں کو اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ وہ مقبوضہ علاقہ میں عربوں کی بڑھتی آبادی سے پیدا ہونے والے خطرہ کو محسوس کریں اور اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ چند سالوں میں اس علاقہ میں رہنے والے عربوں کی تعداد (۶۰۰۰۰۰) سے بڑھکر (۱۰۰۰۰۰۰) ہو گئی ہے، اگر یہ تعداد اسی طرح بڑھتی رہی تو کسی بھی وقت یہودیوں کے لئے دھماکہ خیز صورت حال پیدا کر سکتی ہے، مقبوضہ عرب علاقہ میں آبادی کے بڑھتے ہوئے اس تناسب کو سیاسی تجزیہ نگاروں نے انسانی ایٹم بم سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ مقبوضہ عرب علاقہ میں آبادی بڑھنے کا یہ رجحان یہودیوں کی طرف سے عربوں پر ڈھائے گئے مظالم کا نتیجہ اور جلاوطنی اور نسل کشی کے واقعات کا رد عمل ہے۔

برطانیہ کے ایک سیاسی تبصرہ نگار "روبرٹ فیک" نے (۴۱۵) سے زائد عربوں کے لبنان کے برفیلے علاقہ میں بھیجے جانے کی اسرائیلی تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ وقت گذرنے کے باوجود صیہونی جرم کی سنگینی میں کوئی کمی نہیں آئے گی، کیونکہ یہ علاقہ وہ علاقہ ہے جہاں نہ تو کھانے پینے کا کوئی نظم ہے، نہ سر چھپانے کی کوئی جگہ ہے، نہ طبی سہولیات کی فراہمی کا کوئی امکان ہے اور نہ تعلق رکھنے والوں سے ملنے کا کوئی بندوبست ہے۔

بقیہ: فیصل ایوارڈ

اسلامی علوم کی تحقیقات کے سلسلہ میں العالم کے مستحق قرار پانے والے طرف سے اچانک ان کے نام کا اعلان کر دیا گیا۔

علم الاجتماع کے مختلف موضوعات پر ڈاکٹر حسن ساعاتی کی متعدد تصانیف ہیں۔ مثلاً علم الاجتماع الصناعی، علم الاجتماع الخلاقی وغیرہ۔

ڈاکٹر حسن ساعاتی نے عرب یونیورسٹیوں میں شعبہ علم الاجتماع کی ترقی کے سلسلہ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، خاص طور سے امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض میں علم الاجتماع کے نئے شعبہ کے قیام میں ان کا بھرپور حصہ رہا ہے، مزید یہ کہ ڈاکٹر حسن ساعاتی نے یورپ و امریکہ اور عالم عرب میں اس موضوع پر ہونے والی مختلف کانفرنسوں میں شرکت کی ہے، اور ان میں اپنے علمی و تحقیقی مقالات پیش کئے ہیں۔

ڈاکٹر حسن ساعاتی کا کہنا ہے کہ امام محمد بن سعود یونیورسٹی سعودی عرب نے علم الاجتماع کے موضوع پر ان کے تحقیقی مضامین کو انعام کے لئے پیش کرنے کی جب ان سے اجازت طلب کی تو انہوں نے اس درخواست کو نظر انداز کر دیا کیونکہ انہوں نے یہ مضامین انعام کے حصول کے لئے نہیں لکھے تھے، بلکہ ان کے لکھنے کا اولین مقصد یہ تھا کہ لوگ ان سے علمی فائدہ اٹھائیں، اور وہ مضامین لوگوں کی معلومات میں اضافہ کا سبب بنیں۔ لیکن دوسرے ہی دن عین شمس یونیورسٹی کی مجلس منتظمہ کی

گدڑی میں لعل

ترجمہ محمد فیض الرحمٰن علیاوی فریو

یہ کہانی اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندہ کی ہے جن کا نام نامی گو "حامد آقسرائی" تھا تاہم وہ "بورصۃ" کے باشندوں میں "صمونجی بابا" کے نام سے مشہور تھے کیوں کہ وہ ان کے اطراف میں "ڈبل روٹی" کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے، آپ کی ولادت شہر "قیصری" میں ہوئی اور وہیں نشو و نما بھی، شوق علم نے انھیں شام و تبریز جیسے دور دراز ممالک کی خاک چھنوائی پھر وہاں سے کوچ کرنے کے بعد شہر "اردبیل" کو مادر علمی منتخب کیا جو ایران کے شمال مغرب میں واقع ہے، اور اپنے وسیع و عریض کتب خانہ کی وجہ سے ماضی میں مشہور بھی رہا ہے اور ایک مدت تک تہذیب و تمدن کا مرکز بھی۔

اردبیل پہنچ کر اس فقیر بے نوا اور مشہور عالم دین کی ملاقات علاء الدین "اردبیلی" سے ہوئی، وہاں ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے، اور چند سال ان خدمت میں رہ کر اپنی علمی تشنگی بجھائی، اور تصوف و سلوک میں اعلیٰ مقام حاصل کیا، پھر اس کے بعد وہاں سے واپس تشریف لائے، اور شہر "بورصۃ" میں قیام پذیر ہوئے، ان دنوں یہ شہر دولت عثمانیہ کا دار السلطنت تھا، یہ سلطان بایزید اول (۱۳۶۰-۱۴۰۳ء) کے دور کی بات ہے، صمونجی بابا نے اپنی عمر عزیز کے چند سال شہر "بورصۃ" میں اس طرح گذارے کہ وہ گھر کے اندر بنے ہوئے چھوٹے سے تنور میں روٹی پکاتے پھر اس کو ایک بڑی ٹوکری میں رکھ کر اپنی پیٹھ پر لاد لیتے اور بازاروں اور گلیوں میں لیے پھرتے، جوں ہی بچوں کی نظر ان پر پڑتی وہ بے ساختہ چلاتے "یہ لو صمونجی بابا آگیا، آگیا صمونجی بابا" پھر بہت جلد ہی ان کے پاس ایک مجمع اکٹھا ہو جاتا اور لوگ ان سے روٹی خریدنے لگتے، اتنے خوش اخلاق اور نیک تھے کہ بورصۃ کے تمام باشندے، کیا بڑے کیا چھوٹے کیا بوڑھے کیا جوان، سب انھیں دل و جان سے چاہتے تھے، پھر خوش اخلاقی کے ساتھ ساتھ ان کا چہرہ بھی نورانی تھا اور ہمہ وقت خندہ رو رہتے تھے، اور بچوں سے پیار و محبت، اور دل لگی کی باتیں ان کا محبوب مشغلہ تھا، ان کی لگائی ہوئی روٹی چونکہ گرم، لذیذ اور ملائم ہوا کرتی تھی اس لیے لوگ ان سے مانوس تھے،

اور جس وقت سلطان بایزید اول نے سب سے بڑی جامع مسجد کی تعمیر کا کام شروع کیا اسی وقت سے محل کے معماروں نے "صمونجی بابا" سے روٹی خریدنا شروع کر دیا، اسی دوران اس جامع مسجد کی تعمیر کا کام پایۂ تکمیل کو پہونچا جس کی حیثیت ایک مرکز اور نشانی کی ہے، اور اس میں قرآن پاک کی وہ آیتیں جو بطور زینت و آرائش کے کندہ ہیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہیں، جامع مسجد کا افتتاح نماز جمعہ سے کیا گیا، جمعہ کی نماز سلطان بایزید اول اپنے تمام وزراء، افسران، علماء اور بورصۃ کے باشندوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ شریک ہوئے، مجمع اتنا تھا کہ اتنی وسیع و عریض جامع مسجد بھی اس کے لیے ناکافی ہوگئی، اور جب خطبہ کا وقت ہوا تو "بادشاہ" نے مشہور عالم دین "امیر سلطان" کی جانب اشارہ کیا اور انہیں خطبہ دینے کو کہا۔

حکم کی تعمیل میں امیر سلطان نے منبر کی طرف قدم بڑھایا، اور حاضرین پر ایک نظر اس طرح ڈالی گویا وہ کسی کی تلاش و جستجو میں ہیں۔ اور بات تھی بھی کچھ ایسی ہی کہ وہ دراصل "صمونجی بابا" کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اس لئے کہ وہ ان کے علم و فضل، مقام و مرتبہ سے آشنا تھے، اور اس کے معترف بھی، گو عام لوگ اس سے ناواقف تھے۔ اور ان کے سلسلے میں ان کا اعتقاد صرف اس حد تک تھا کہ وہ ایک نیک سیرت، خوش خلق، پاک باز و راست باز انسان ہیں، چنانچہ دیکھتے دیکھتے بالآخر "امیر سلطان" کی نظر ان پر پڑ گئی۔ پھر انھوں نے ایک زوردار آواز میں کچھ کہا۔ جسے تمام حاضرین نے سنا، اور ان کی جانب ہاتھ سے اشارہ کرکے کہا: اس جامع مسجد میں اس شخص سے بڑھ کر خطبہ دینے کا مستحق کوئی دوسرا نہیں ہے: یہ سن کر حاضرین مجلس انگشت بدنداں

رہ گئے اور "امیر سلطان" نے جس جانب اشارہ کیا تھا اس طرف لوگ اُچک اُچک کر دیکھنے لگے۔ اس صورت حال سے "صمونجی بابا" سخت پریشانی و کشمکش میں مبتلا ہوگئے، کیونکہ اتنے دنوں تک ان کا راز پوشیدہ تھا اور دنیا انھیں صرف ایک روٹی نانبائی کی حیثیت سے جانتی تھی۔ اور بس! لیکن "امیر سلطان" نے ان کا راز فاش کرکے ان کو پریشانی میں مبتلا کر دیا۔

حاضرین کی نگاہیں ان پر جم کر رہ گئیں، "صمونجی بابا" بادل ناخواستہ اپنی جگہ سے اٹھے اور منبر کی جانب قدم بڑھایا اور تمام لوگ ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گئے، "صمونجی بابا" نے منبر پر قدم رکھنے سے پہلے امیر سلطان کو پست آواز میں لعنت و ملامت کی: "آپ نے مجھ پر بہت بڑا ظلم کیا کہ میرے راز کو فاش کر دیا" یہ سن کر امیر سلطان نے انتہائی پست آواز میں ان سے کہا کہ جناب والا! اس وقت خطبہ دینے کے سب سے زیادہ حقدار آپ ہی تھے: یہ گمنام بزرگ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، اور حمد و ثنا کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی، اور پھر اس کی تفسیر سات طرح بیان کی، خطبہ نہایت عمدہ، پُرلطف اور سبق آموز تھا، اور تفسیر اتنی بہتر کہ اس سے حاضرین مسحور ہوگئے۔

مشہور و معروف عالم دین "ملا فناری" جو اس محفل میں تشریف رکھتے تھے، اور یہ خطبہ بھی سنا تھا ان سے اپنی حیرت و استعجاب کا اظہار کئے بغیر نہیں رہا گیا۔ چنانچہ نماز سے فراغت کے بعد اپنے اعزہ و اقارب اور ملنے جلنے والے دوستوں سے یوں گویا ہوئے۔ آج تم نے اس شخص کی رفعت شان کا مشاہدہ آج کر لیا، اور اس کے تبحر علمی، اور فن تفسیر کے اندر اس کی مہارت سے بخوبی واقف ہوگئے، چنانچہ سورۂ فاتحہ کی پہلی تفسیر جو اس شخص نے بتائی ہے وہ تو سب کی سمجھ میں آگئی، دوسری تفسیر کسی نے کچھا کسی نے نہیں سمجھا، اور تیسری تفسیر خواص اور گنے چُنے لوگوں تک محدود رہی البتہ چوتھی، پانچویں، اسی طرح چھٹی اور ساتویں تفسیر ہماری سمجھ سے باہر تھی۔

شیخ کے اس کمال علمی کا چرچا ہر جگہ پیچھے پیچھے ہونے لگا، اور بہت جلد لوگ اس گمنام خاک نشین شخص کی حقیقت حال سے واقف ہوگئے جو ٹوکری میں روٹی بازاروں، کوچوں اور گلیوں میں پھرتا تھا اور بچوں سے دل لگی کی باتیں کیا کرتا تھا۔ انھیں اب معلوم ہو گیا کہ یہ گلیم پوش بڑے عالم بھی ہیں، اور اللہ کے مقرب بندہ بھی، گویا وہ لوگوں سے بزبان حال یہ کہہ رہے ہوں! ؎

ہیں ایسے تعجب سے نہ دیکھو
مشیت کو یونہی منظور ہیں ہم

باقی صفحہ ۱۳ پر

بقیہ: اسلام میں اجتماعیت

اور عبادت کا مظاہرہ دنیا میں کہیں نہیں ہوتا ہے۔ کمبھ کے میلے میں بیشک بڑا اجتماع ہوتا ہے مگر ۱۲ برس کے وقفے سے وہ منعقد ہوتا ہے ہر سال نہیں ہوتا۔

یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے جس جماعت کا حکم پانچ وقت کی نماز کے لئے دیا ہے اس کو جمعہ کی نماز میں زیادہ وسعت عطا کی پھر عیدین میں اس اجتماعیت کو مزید اہمیت و عظمت عطا کی اور آخر میں حج میں اس اجتماع زندگی کے پہلو سارے عالم کے مسلمانوں سے جوڑ دیا اور رنگ و نسل پر ایک ضرب کاری لگا دیا۔ اس کے اثرات کا اندازہ یوں لگائیے کہ اشتراکی ممالک اپنے یہاں کے مسلمانوں کو حج کرنے نہیں دیتے تھے کیوں؟ اس بنا پر کہ مسلمان حج کی اجتماعی زندگی اور مظاہرہ سے متاثر ہوں گے۔ اور اس کے اثرات ان کی معاشرتی زندگی پر مرتب ہوں گے۔

لیکن سارے تعلقات اور ساری اجتماعی زندگی اللہ اور رسول کے رشتہ پر قائم ہے۔ اور اسلام نے ان تمام اجتماعی اعمال کو خدا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت سے جوڑ دیا ہے، اس طرح اسلام ایک مقامی اور بین الاقوامی اجتماعیت کو جنم دیتا ہے، وہ وطن، نسل، اور ذات پات کے رشتوں کے منفی اثرات پر ضرب لگاتا ہے، اور پھر اسلام کا رشتہ قائم کرتا ہے اور اس کو مضبوط بناتا ہے،

بقول اقبال ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

ایک ہی راستہ، ایک ہی حل

جناب محمد نفیس حسن صاحب (دہلی)

موجودہ حالات نے ہر شخص کو اس قدر دم بخود کر دیا ہے کہ آج ہر شخص کے ذہن میں بس ایک ہی سوال ہے کہ ہم کیا کریں؟ اپنی بقا اپنے تحفظ اور تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے کیا کیا جائے؟ موجودہ سنگین حالات کے نتیجہ میں شدت احساس تو ضرور پیدا ہوا ہے لیکن راہ عمل کا تعین ٹھیک طرح نہیں ہو پا رہا ہے۔ اخبارات میں چھپے متعدد مضامین سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ صبر و حشت اثر ہو گیا ہے۔ زبان و قلم میں گھٹن، الجھاؤ اور غیر یقینی محسوس ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حالات جن سے آج ہم نبرد آزما ہیں، غور طلب، پریشان کن اور فیصلہ کن ضرور ہیں لیکن مایوس کن ہرگز نہیں۔ قوموں کی تاریخ اس قسم کے حالات و حوادث سے بھری پڑی ہے۔ اس وقت نہ صرف ملت مسلمہ ہندیہ بلکہ پوری ملت اسلامیہ ایک فیصلہ کن دوراہے پر کھڑی ہے اور سخت آزمائش میں مبتلا ہے۔ باطل طاقتوں نے انھیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان پر عرصۂ حیات تنگ ہے تو بے جا نہ ہوگا لیکن صرف اس نوحہ خوانی سے کیا فائدہ؟ ہمیں نہایت سنجیدگی سے یہ سوچنا ہوگا کہ آخر یہ حالات کس کے پیدا کردہ ہیں اور خود ہم بھی کس حد تک اس کے ذمہ دار ہیں؟ ان سوالات کا جواب خود اپنے آپ سے لینے کے بعد ایک مستحکم اور غیر متزلزل لائحۂ عمل بنا کر صدق دلی کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔

یہ مانا کہ ہم پر ظلم ہو رہا ہے اور شدید سے شدید تر ہو رہا ہے۔ ہماری آہ و فغاں بے اثر، ہماری زبان بے اثر، ہمارا قلم بے اثر، دنیا میں ہمارا جو حشر ہے وہ کھلی کتاب ہے۔ کیا چھٹی صدی عیسوی کے مسلمانوں (رسول اکرمؐ و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) پر ظلم نہیں ہوا؟ کیا اس کے بعد بھی المناک سوز واقعات رونما نہیں ہوئے؟ کیا وہ حالات موجودہ حالات سے زیادہ ابتر نہیں تھے؟ کیا ہم نے ان کا مقابلہ نہیں کیا؟ اور کامیاب نہیں ہوئے؟ کیا آج کے حالات پر ہم قابو نہیں پا سکتے؟ کیا ہم اپنی تاریخ سے کوئی سبق نہیں لے سکتے؟ کیا ماضی کی شاندار روایات سے ہم کوئی روشنی نہیں حاصل کر سکتے؟ کیا اسلام ہماری رہنمائی کے لیے کافی نہیں؟ ہمارے تمام سوالات کا جواب سو فیصد "ہاں" ہی میں ملے گا۔ کیونکہ یہی ایک راستہ ہے اس کے علاوہ کوئی بھی راستہ اختیار کرکے اندھیروں کو بڑھانا ہے، مسائل کو الجھانا ہے، حالات کو مزید خراب کرنا ہے اور اپنی زندگی کو ہمیشہ کے لیے خطرہ میں ڈالنا ہے۔

آئیے ذرا غور کریں اگر ہم اپنی بقا، تحفظ اور تشخص کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے میرے ناقص او رکم ترین ذہن میں دل کی آواز سے جو جواب نکلا ہے اسے یہاں قلمبند کرنے کی کوشش کی گئی ہے حالات کی استواری کے لیے سب سے اولین جو کام ہمیں کرنا ہے وہ ہے اپنے عقیدہ و ایمان کی درستی مسلمان کا ایمان کائنات کی ہر شے سے مقدم ہے۔ ایمان ہی اس کا اصل ہتھیار ہے جس کے ذریعہ ہر برائی، ہر خرابی اور ہر ظلم کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔ ایمان کی طاقت نے ہی بدر و احد میں کامیابی دلائی۔ درخیبر کو فتح کیا۔ قیصر و کسریٰ جیسی ظالم و جابر طاقتوں پر اپنا تسلط قائم کیا۔ ایمان ہی نے شہادت کی سعادت سے نوازا مسلمان کی فطرت میں چونکہ خدا سے بے نیاز کے علاوہ ہر ایک سے بے نیازی ودیعت کی گئی ہے لہٰذا وہ موت کو برحق مانتا ہے اور اس کے وقت متعین پر حتمی یقین رکھتا ہے۔ اسے مر جانے کا خوف دامن گیر نہیں ہوتا۔ وہ نہ آتش نمرود سے گھبراتا ہے نہ لشکر فرعون سے۔ خدا کا پیغام ازلی و ابدی ہی اصل میں اس کی زندگی ہوتا ہے۔ اس کے بغیر وہ زندہ رہ ہی نہیں سکتا مسلمان کا ایمان ایک سیسہ پگھلائی دیوار کے مانند ہوتا ہے، جسے ہلانا آسان نہیں۔ لیکن آج اگر ہم اپنے ایمان کا جائزہ لیں تو بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایمان نہ صرف یہ کہ کمزور ہے بلکہ تقریباً ہے ہی نہیں۔ ہم نے اسے محض کلمہ کی ظاہری نقاب میں چھپا رکھا ہے۔ خدا کی ذات، اس کے پیغام اور اس کے وعدوں پر کامل یقین ہے ہی نہیں ایمان کی یہ کمزوری ہی دراصل انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے، جو بہت سی خوف و ہراس اور غیر یقینی احساس کو ابھارتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایمان کی درستی ہو کس طرح؟ اور اسے پختہ و محکم کس طرح بنایا جائے؟ ایمان کو محکم بنانے کے لیے عقیدہ کا درست ہونا سب سے پہلے ضروری ہے۔ آج اگر ہم اپنا محاسبہ کریں تو اندازہ ہوگا کہ عقیدہ کا بگاڑ بلکہ فساد ہمارے پورے معاشرے میں بری طرح پھیلا ہوا ہے۔ غیر اسلامی شعائر شرک و بدعت و خرافات میں بلاشبہ ہم میں سے ہر ایک گرفتار ہے خواہ اس کی کوئی شکل ہو۔ ہمیں اگر عشق ہے تو اپنے خواہشوں سے، ذاتی مفادات سے، برائیوں سے، خوشامدوں سے، بد اخلاقیوں سے اور اگر عشق نہیں ہے تو اللہ سے اپنے پیدا کرنے والے، پالنے والے اور کھلانے پلانے والے سے۔ خدا سے سچا عشق اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانی، اپنے نفس کی قربانی اپنی خواہشات کی قربانی کا جذبہ جب تک ہمارے اندر پیدا نہ ہوگا، ایمان مضبوط ہو ہی نہیں سکتا اور جب تک ایمان مضبوط نہیں ہوگا ہمارے کسی مسئلہ کا حل نکل ہی نہیں سکتا۔ عقیدہ کی اصلاح ایمان کی پختگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ شرک و بدعات، خرافات و فضولیات، غیر اسلامی رسم و رواج اور طرز حیات عقیدہ کو کھوکھلا کر دیتے ہیں، دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں اور ہمارا کرم خوردہ وجود کسی کام کا نہیں رہتا۔ لہٰذا سب سے پہلے تو ہمیں اپنے عقیدہ کی اصلاح کرنی ہوگی، عقیدہ کی اصلاح کے لیے ہمیں عقائد کی مستند کتابیں مثلاً تقویۃ الایمان اور دستور حیات وغیرہ کا خاص طور پر مطالعہ کرنا چاہیے۔ اپنی مسجدوں، گھروں، دوکانوں، کارخانوں اور اداروں ہر جگہ لوگوں کو پڑھ کر سنانا چاہیے۔ اور لازمی طور پر قوم کے ہر فرد کے عقیدہ کی درستی کو اپنا اولین فرض قرار دینا چاہیے......

عقیدہ کی اصلاح و درستی سے ہمارا ایمان یقیناً پختہ ہوگا۔ ایمان کی پختگی کے لیے حضورؐ کی سیرت، صحابہ کی زندگی و خدمات اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ سیرت رسولؐ اور صحابہ کے حالات و کمالات کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ ہر جگہ روزانہ تھوڑا بہت وقت پابندی کے ساتھ اس کے لیے وقف کرنا کھانے پینے سے زیادہ ضروری محسوس کیا جانا چاہیے۔ اس سلسلہ میں سیرۃ کی مستند کتابیں خاص کر خطبات مدراس "نبی رحمت"، "رحمۃ للعالمین"، "الفاروق" "سیرۃ النبی"، "تاریخ دعوت و عزیمت" اور "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" وغیرہ بہت مفید ثابت ہوں گی۔

ہمیں سنجیدگی سے اپنے طرز حیات کا محاسبہ کرنا اور کرتے رہنا چاہیے بھی ہمارا وجود دست قضا میں صورت خمیر ثابت ہوگا۔ آج نئی نسل کی تعمیر نو کی انتہائی شدید ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے نظام تعلیم و تربیت پر بھی از سر نو غور کرنا ہوگا۔ اب خالص مذہبی علوم پر مبنی ادارے یا خالص نئے اور موجودہ علوم و فنون پر مبنی تعلیمی اداروں کی علیحدگی پسندی زیادہ مفید ثابت نہیں ہوگی۔ ظاہر ہے کہ سرکاری سطح پر ایسے تعلیمی ادارے تو قائم ہونے سے رہے البتہ ہمیں خود اپنے بل بوتے پر اپنے غیر ضروری بلکہ بے جا اسراف سے توبہ کرکے نئی نسل کو اعلیٰ ترین تعلیم سے لیس ہتھیار فراہم کرنا ہوگا۔ موجودہ تعلیمی اداروں کے غیر صحت مند نتائج کے سبب نئی نسل کے لیے الگ سے تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ تعلیمی بیداری کا عام رجحان قوم میں پیدا کرنے کی اشد شدید ضرورت ہے۔ اب ہماری تمام تر توجہ نئی نسل کی تعمیر و تربیت کی طرف خاص طور پر مبذول ہونی چاہیے۔ اگر سچے دل سے غور کیا جائے تو ہمیں یہ بات مان لینی چاہیے کہ موجودہ حالات کی اصل ذمہ داری ہماری جہالت ہے۔ تعلیمی بیداری کی جس قدر ضرورت تھی وہ آج تک پیدا نہیں ہوئی۔ اخبارات میں بھی تعلیمی پالیسی سے اس کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہماری بے حسی نہیں تو اور کیا ہے افسوس ہے کہ ہماری پوری قیادت، ایافت ذہانت اور شرافت سیاسی مسائل کی طرف تو جھٹ چڑھ کر لگی ہوتی ہے لیکن نئی نسل کی تعلیم و تربیت پر کسی کی توجہ خاطر خواہ نہیں اگرچہ اس ضمن میں آج کل بعض اہل علم حضرات کے احساسات کسی قدر نمایاں طور پر نظر آنے لگے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرف پورے ہوش و حواس اور زندگی سے عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے، ہمارے تعلیمی اداروں کی حالت اگرچہ مجموعی ہندوستان میں خاصی بہتر اور قابل قدر

ہے لیکن شمالی ہندوستان خاص کر دہلی دیوپی میں یتیم خانوں سے بدتر ہے۔ اس کے لیے ہمارا پورا معاشرہ ذمہ دار ہے۔ تنہا کسی ایک کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا تعلیمی اداروں کا غیر صحت مند اور غیر اطمینان بخش ماحول، انتظامیہ، اساتذہ، والدین اور طلبا سبھی اس کے ذمہ دار ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ذمہ داری دوسروں کے کاندھے پر ڈالتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہر شخص اپنی ذمہ داری کو واقعۃً محسوس کرنے لگے تو کوئی ممکن نہیں کہ ہماری تعلیمی حالت بہتر نہ ہو۔ آج کے حالات میں بھی ہم اگر جہالت کے اندھیرے میں مبتلا ہے اور صحیح تعلیم کی طرف نئی نسل کو نہیں لگایا تو آنے والی نسلیں ہمیں معاف نہ کرسکیں گی اور یہ ایک ایسی تاریخی غلطی ہوگی جو سیاہ لفظوں سے ہمارے نامۂ اعمال میں لکھی جائے گی۔

(باقی آئندہ)

بقیہ: امریکی سماج

ٹکساس کے حکام نے ڈیوڈ کورش کے متعلق جو معلومات پریس کو فراہم کیں ان میں کہا گیا تھا کہ ڈیوڈ کورش یہ دعوی کرتا ہے کہ وہ حضرت مسیح اور تمام عورتوں سے محبت کرتا ہے، اسکو اپنے ماننے والوں پر مکمل کنٹرول ہے یہ لوگ خواہ مرد ہوں یا عورتیں، سب ڈیوڈ کے انسانی رسول ہونے پر مکمل یقین رکھتے ہیں، ڈیوڈ کو خدا نے حکم دیا ہے کہ وہ ایک بڑا کمپلکس صرف عورتوں کے لئے تعمیر کرے جہاں صرف وہی رہے گا یا کمسن لڑکیاں رہیں گی ڈیوڈ حضرت داؤد کے نقش قدم پر چل رہا ہے وہ ان کا حقیقی وارث ہے، وہی اس کی حکومت اس دنیا میں قائم کرنے کا ذمہ دار ہے، ڈیوڈ کورش جب کسی خاتون کو پسند کرلیتا ہے تو یہودیوں کے رمز "چھ کونے والے ستارے" اس پر ٹانک دیتا ہے، اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ خاتون اس کی بیوی ہوگئی۔ ڈیوڈ کے ماننے والے آسٹریلیا، برطانیہ، اور جزیرہ ہوائی میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

امریکی حکام کو جب تمام ذرائع سے اس کی تصدیق ہوگئی اور یہ بات یقین کی حد تک پہونچ گئی کہ ڈیوڈ اور اسکی جماعت امریکی سماج کے لئے چیلنج ہے اور امن وقانون کے لئے سنگین خطرہ ہے تو اے ٹی ایف کے مسلح نوجوانوں نے ایف بی آئی کے مشورہ کی روشنی میں واکو کے کمپلکس کا محاصرہ کرلیا، ریڈیو، ٹی وی اور فون کے ذریعہ ڈیوڈ کورش کے ساتھ افہام وتفہیم کی کوشش کی گئی اور ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اسلحہ حوالے کردیں، اس محاصرہ میں اس احتمال کو بھی پیش نظر رکھا گیا کہ ڈیوڈ کی طرف سے حملہ بھی ہوسکتا ہے، محاصرہ کا یہ کام ایسے وقت عمل میں آیا جب نیویارک کے تجارتی مرکز میں دھماکہ ہوا تھا اور اس واقعہ پر امریکی میڈیا نے ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ اور پوری دنیا کو، باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ اب امریکہ کو مسلم دہشت گردوں نے اپنا نشانہ بنایا ہے۔ اس دھماکے کا سلسلہ فلسطینی تنظیم "حماس" سے ملایا گیا، پھر اخوانیوں سے اسکا رشتہ جوڑنے کی کوشش کی گئی اور یہ مطالبہ امریکی حکام سے کیا گیا کہ امریکہ میں قائم مسلم تنظیموں پر پابندی عائد کی جائے، یہ عجیب بات ہے کہ ابتدائی تحقیقات کے دوران ہی اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کے ایک سابق افسر نے بیان دے دیا کہ اس منصوبے کے پیچھے اسرائیل کا ہاتھ ہے اور اس نے ساری منصوبہ بندی کی ہے۔ اس کام میں اس کو امریکی اور مصری حکام کا تعاون حاصل تھا، اس افسر نے یہ بھی الزام لگایا کہ بے گناہوں کو پھنسایا جارہا ہے اور ایف بی آئی کے حکام موساد کے زیر اثر کام کررہے ہیں، ڈیوڈ کے کمپلکس کا محاصرہ پانچ ہفتے جاری رہا، یہ مزید جاری رہتا اگر کمپلکس کی طرف سے فائرنگ کی ابتدا نہ ہوجاتی، جس میں ایف بی آئی کے پانچ ارکان کام آگئے تھے۔ امریکی حکام نے اس صورتحال کو دیکھ کر صدر سے مسلح حملے کی اجازت حاصل کی اور بکتر بند گاڑیوں اور ٹینک کے ساتھ کمپلکس پر حملہ کردیا۔ پہلے آنسو گیس چھوڑے گئے اس سے پہلے بجلی اور فون کی سپلائی لائن کاٹ دی گئی لیکن کمپلکس میں جنریٹر موجود تھا، پانی اور غلہ کا ذخیرہ وافر مقدار میں تھا۔ اسلحہ کا ذخیرہ بھی خاصی مقدار میں جمع تھا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر امریکی حکام نے گولہ باری شروع کرائی جس کے نتیجہ میں کمپلکس میں آگ لگ گئی، دونوں طرف سے فائرنگ کے تبادلے ہوتے رہے، آخر میں جب کمپلکس سے فائرنگ بند ہوگئی تو امریکی حکام نے کمپلکس کا جائزہ لیا تو انھیں معلوم ہوا کہ کمسن بچیوں اور عورتوں سمیت چھیالیس مقتول ہوئے، جس میں ڈیوڈ کورش بھی تھا۔

قتل کے اس واقعہ پر امریکہ میں ہنگامہ بھی ہوا لیکن دبا دیا گیا، اسی دوران جو مسلم امریکی اخبارات میں امریکہ میں موجود دہشت پسند دینی تنظیموں کے متعلق ظاہر کی گئی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے امریکہ میں پانچ ہزار دینی تنظیمیں ہیں، جو صرف یہودیوں اور عیسائیوں کے متعلق ہیں: "ہرے کرشنا ہرے راما" کی تنظیم کو بھی غیر معمولی اہمیت ادھر چند برسوں میں ہوگئی، یوگا کے ذریعہ اس تنظیم کے لوگ دوسروں کو شکار کرتے ہیں جنسی بے راہ روی میں یہ لوگ زیادہ شہرت رکھتے ہیں، امریکی حکام کا کہنا ہے کہ شدت پسند دینی تنظیموں کی نگرانی کے لئے ایک سرکاری ادارہ ہے جس کو ہر سال اٹھارہ ہزار شکایتیں ملتی ہیں پورے امریکہ میں اس ادارہ کے دو ہزار کارکن اور ممبران ہیں جو تمام سرگرمیں پر نگاہ رکھتے ہیں ۔۔ جس امریکہ میں ڈیوڈ کورش جیسی تنظیمیں موجود ہوں اور جدید ترین اسلحے

لیس بھی ہوں، اس ملک کو اسلامی دنیا کے اصول پسندوں اور فنڈامنٹلسٹوں سے خطرہ کا ہوا کھڑا کرنے اور اس کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ کرنے کا کیا حق ہے، امریکہ کی دہشت پسند تنظیموں اور ان کی خطرناکی اور امریکی سماج کے اس رستے ناسور کو دیکھتے ہوئے اگر ہم عالم اسلام میں موجود مسلم فنڈامنٹلسٹوں کو دہشت گرد بفرض محال تسلیم بھی کرلیں جب بھی امریکہ کے مقابلہ میں یہ ایک فیصدی بھی کم ہوں گے، امریکہ کو پہلے اپنے گھر کی خبر لینی چاہیئے۔ جہاں تن ہمہ داغ داغ شد، کی مثال صادق آتی ہے ہے

شرم تم کو مگر نہیں آتی

اور شرم آئے بھی تو کیسے کہ پاکستان، ایران، سوڈان، اور لیبیا وشام کو دہشت گرد ممالک کی فہرست میں شامل وہ ملک کررہا ہے جو بوسنیا ہرزیگوینا کے مسلمانوں پر صربوں کو انسانیت سوز تمام مظالم کی کھلم کھلا اجازت دے رہا ہے، بلکہ اس کی سرپرستی بھی کھلے عام کررہا ہے، تازہ ترین انکشاف یہ ہوا ہے کہ جو امدادی سامان بوسنیا ہرزیگوینا کے مسلمانوں کے لیے امریکی ہوائی جہازوں نے انسانیت کے نام پر گرایا تھا اس میں صربوں کے لئے اسلحے تھے جو صربوں ہی کے ہاتھ گئے، جو سامان مسلمانوں کے علاقوں میں گرے ان میں تکلیف دہ غذائی پیکٹ تھے، جو اپنی صلاحیت کھو چکے تھے، اس کے علاوہ امریکہ کا ناز بردار اسرائیل بھی جس طرح اپنے پاؤں تلے انسانی حقوق کو علی الاعلان روند رہا ہے وہ خود امریکہ کی انسانیت دوستی کی آخری مثال ہے ؎

حل ترا اے کاش کے مادر نزادے

بقیہ: رشتہ داروں کے حقوق

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی فرمایا کرتے تھے: اگر تمہارا کوئی رشتہ دار موجود ہو اور تم پاؤں سے چل کر اس کے پاس نہ جاؤ اور اور اپنے مال میں سے اسے نہ دو تو تم نے اس کے ساتھ قطع رحمی کی۔

لکھا ہے کہ رشتہ داروں کا حق یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کی تعظیم کرے اور بڑا چھوٹے کے ساتھ شفقت سے پیش آئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: چھوٹے بھائیوں پر بڑے بھائی کا ایسا ہی حق ہے جیسا والد کا اولاد پر ہوتا ہے۔

وإذا رزقت من النوافل ثروة
فامنح عشيرتك الأداني فضلها

اگر تمہیں فاضل مال ودولت مل جائے تو اس میں سے فاضل مال اپنے قریبی رشتہ داروں کو دے دیا کرو۔

واعلم بأنك لا تسود فيهم
حتى ترى دمث الخلائق سهلها

اور یہ سمجھ لو کہ تم ان میں اس وقت تک سردار نہیں بن سکتے جب تک نرم مزاج وعالی اخلاق والے نہ بنو۔

اعلان

تعمیر حیات کا یہ شمارہ نمبر ۱۴-۱۵ ۲۵ مئی و ۱۰ جون ۹۳ء عید الاضحی کی تعطیل کی وجہ سے مشترکہ شائع کیا جارہا ہے اس کی قیمت ۵۰/۴ ہے ایجنٹ وخریدار حضرات نوٹ کرلیں۔

چونکہ پہلے سے خیال نہیں تھا کہ عید الاضحی کی چھٹی سے ۱۰ جون کا شمارہ متاثر ہوگا اس لیے یہ فیصلہ اچانک کرنا پڑا تاکہ ۱۰ جون کا شمارہ لیٹ نہ ہو۔ (ادارہ)

والد محترم ... کچھ یادیں کچھ باتیں

ذکی نور عظیم

عزیز گرامی قدر! سب سے پہلے تو آپ اپنی اس امتیازی کامیابی اور اعزاز پر دلی مبارکباد قبول کیجئے جو ہم سب لوگوں کے لئے بھی قابل تہنیت ومسرت ہے یہ سب آپکی سعادت، شرافت نفس اور علم وادب سے گہرے ربط وتعلق کا نتیجہ ہے، اس سلسلہ میں میرا یا ندوہ کا جو نام آیا وہ ہم سب کے لئے باعث افتخار ہے، اللہ تعالی بار بار ایسے مواقع لائے خاص طور سے نائب رئیس الجامعۃ الازہر کا یہ ریمارک کہ "یہ رسالہ اس کا مستحق ہے کہ بغیر مناقشہ کے ڈگری دی جائے" پھر رسالہ کی جو خصوصیات بتائی گئیں وہ سب امتیازی ہیں۔

عزیزم! یہ سب آپکی "لئے ترانی" نہیں بلکہ ایک خوشخبری اور تحفہ ہے، الحمد للہ مصر میں آپکی موجودگی سے ندوۃ العلماء اور ہندوستان کا اچھا تعارف ہوگیا۔ اور مصریوں کے سامنے ایک اچھا نمونہ آیا، خدا کرے اس کا سلسلہ جاری رہے آپکی موجودگی سے بڑی مدد ملی اور خود مصریوں کو بھی رائے قائم کرنے میں سہولت ہوئی۔

ان خیالات کا اظہار ۸ شوال ۱۴۱۳ھ کو حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی مدظلہ نے اپنے اس مکتوب میں کیا تھا جس میں وہ اپنے ایک شاگرد اور بعد کے ایسے رفیق کو انکی امتیازی کامیابی پر مبارکباد دینا چاہتے تھے جواب اس جہاں میں نہ رہے، اور مولانا کو تنہا چھوڑ چلے، میری مراد والد محترم مولانا عبد النور ندوی (نور عظیم) رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، والد محترم نے ایم، اے، جامعۃ الازہر قاہرہ سے امتیازی نمبروں سے پاس کیا تھا۔ یہ خط اسی موقعہ کا لکھا ہوا ہے۔

آج میں کانپتے ہاتھوں، آنسوؤں سے لبریز آنکھوں، سوتی دنیا اور گنگ زبان کے ساتھ ان کے مختصر حالات زندگی اور انکی جدائی پر اپنے تاثرات واحساسات کو نقل کرتے ہوئے ان حالات سے دوچار ہو رہا۔

کیا کہوں حال درد پنہانی
وقت کوتاہ قصہ طولانی
عیش دنیا سے ہوگیا دل سرد
دیکھ کر رنگ عالم فانی

والد محترم کی ولادت ضلع سدھارتھ نگر یوپی کے ایک موضع اکر ہرا میں ایک ممتاز دیندار گھرانے میں جولائی ۱۹۴۰ء میں ہوئی، آپ کے والد (داداجان) مولانا عبد العظیم صاحب مسلک اہلحدیث کے ایک باعمل متبع سنت اور داعی ومصلح عالم تھے اتباع سنت پر ہمیشہ بہت زور دیتے اور اس سلسلہ میں معمولی کوتاہیوں پر بھی سختی سے ڈانٹ دیتے۔

والد محترم نے ابتدائی تعلیم گھر ہی پر دادا جان (مولانا عبد العظیم صاحب) سے حاصل کی بڑے بھائیوں مولانا عبد الودود اور مولانا عبد المعبود رحمانی صاحبان سے بھی کچھ چیزیں جیسے اردو، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی اور فارسی کی بعض کتابیں پڑھیں، پھر کچھ دنوں قرب وجوار کے ابتدائی درجات پر مشتمل مدارس میں تعلیم حاصل کی، لیکن داداجان کے مشورہ سے یہ طے کیا گیا کہ گاؤں اور قصبوں کے ماحول سے باہر نکل کر کسی ایسی جگہ تعلیم کے لئے جائیں جہاں دنیائے انسانیت کی نبض ٹٹولنا آسان ہو اور موجودہ زمانے میں تعلیم وتعلم کے مزاج سے بھی آشنا ہو سکیں اور آنے والے زمانے میں اصلاح وتربیت اور دعوت وتبلیغ کا طریقہ بھی تجربہ کار اور ماہرین فن سے سیکھ سکیں، اس کے لئے آپ نے جامعہ رحمانیہ بنارس کا انتخاب کیا لیکن ابھی وہاں کی تعلیم کے دوسرے ہی سال میں تھے کہ والد صاحب (داداجان) کی طویل علالت کی بنا پر گھر واپس لوٹنا پڑا اور دوسرے سال امتحان میں شرکت بھی نہ کرسکے اور آپنے گھر واپس آکر والد صاحب کی خدمت کو ترجیح دی۔ ایک سال گھر سے قریب ایک مدرسہ جامعہ رحمانیہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں قیام کیا تاکہ بوقت ضرورت والد صاحب کی خدمت کا شرف بھی حاصل کرتے رہیں۔

والد صاحب کی صحت سے مطمئن ہونے کے بعد آپ نے اپنے بلند نصب العین کے حصول کے لئے دوبارہ قدم بڑھانا شروع کیا اور اب اس کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا انتخاب کیا، آپ یہاں ۱۹۵۶ء میں تشریف لائے، درجہ پنجم عربی میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے نہایت جانفشانی محنت وکوشش اور جذبہ ولگن سے اپنے علمی سفر کو جاری رکھا یہاں تک کہ پہلے عالمیت اور پھر فضیلت کے امتحانات میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی، آپ ندوہ کے زمانۂ تعلیم ہی سے پندرہ روزہ عربی اخبار "الرائد" اور اردو پندرہ روزہ تعمیر حیات میں مضامین لکھتے تھے۔

والد صاحب نے اپنا تعلیمی سفر جن حالات میں پورا کیا اگر اس پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح اور ان حالات میں تعلیم کا جاری رکھنا اور مکمل کرنا اسی کے لئے ممکن ہے جس کے سامنے ایک شاندار نصب العین ہو، گھریلو حالات قابل توجہ تھے بس بارچوں کی ایک چھوٹی سی دوکان ایک بڑے گھرانے کا واحد ذریعہ معاش تھی، والد صاحب (داداجان) ادھر ادھر سے انتظام کر کے گذر بسر کیلئے جو کچھ بھیجدیتے اسکو اللہ کی ایک بڑی نعمت سمجھتے، لیکن یہ خرچ بھی اتنا معمولی ہوتا کہ مہینے بھر کا خرچ مشکل سے ہی اس میں پورا ہو سکے۔ لیکن آپکی علم دوستی اور کتابوں سے لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ کھانے کا خرچ بھی اکثر کتابوں کی خریداری پر صرف کردیا کرتے اور کھانے پینے میں قناعت سے کام لیتے،

ندوہ میں آپ نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی سے بخاری شریف سے کتاب الایمان اور کتاب العلم، مولانا منظور نعمانی سے ترمذی اور ابوداؤد، مولانا محمد اسحاق صاحب سے مسلم وبیضاوی، مولانا عبد الحفیظ بلیاوی اور مولانا محمد اسباط سے چند دوسری کتب حدیث، مولانا سعید الرحمن اعظمی اور مولانا محمد رابع حسنی ندوی سے عربی ادب پڑھا۔ خارج اوقات میں مولانا محمد حبیب الرحمن، مولانا ابو الوفاء خانصاحب اور قاری محمد سلام سے بھی استفادہ کیا۔ ایک مرتبہ مولانا ابو الوفاء خانصاحب کے متعلق فرمایا کہ "عجیب اتفاق کہ مولانا سے باقاعدہ درس کی کوئی کتاب پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا لیکن خارج اوقات میں امام غزالی کی "المنقذ من الضلال" سبقاً سبقاً پڑھی یہ کتاب تو دراصل عبارتی تھی، دراصل اس کے ضمن میں فلسفہ، تصوف اور علم کلام کے مختلف مسائل زیر بحث آئے، اور مولانا نے ان پر سیر حاصل بحث فرمائی۔

والد محترم نے مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی کی مختلف کتابوں کے مقدمے اور اہم اجزاء خود مولانا مدظلہ سے مختلف نشستوں میں سبقاً سبقاً پڑھے، فراغت کے کئی سال بعد چھ ماہ مستقل مولانا کی خدمت میں رہ کر انکی مجالس سے فائدہ اٹھایا اور اخیر عمر تک ان کی مجلسوں اور عام گفتگو سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہا۔

۱۹۶۲ء میں ندوہ سے فراغت کے بعد گھر کے معاشی حالات کو دیکھتے ہوئے دار العلوم احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ بہار چلے گئے۔ اور وہاں دو سال تک عربی زبان وادب کی تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، اور مدرسہ کے ترجمان "الہدی" کو بھی اپنی قلمی کاوشوں سے چار چاند لگاتے رہے، مولانا علی میاں کی مشہور کتاب "النبوۃ والانبیاء فی ضوء القرآن" کا اردو ترجمہ سب سے پہلے قسطوں میں اسی رسالہ میں شائع کیا۔ پھر مولانا علی میاں نے مادر علمی ندوۃ العلماء کی خدمت کیلئے لکھنؤ بلالیا۔ یہاں آپکے جوہر کھلے دار العلوم میں عربی زبان وادب کی تدریس کے علاوہ تعمیر حیات، ندائے ملت، اور الرائد میں لکھنا شروع کیا، ۱۹۶۷ء میں ندائے ملت کی ادارت سنبھالی اور اپنے طاقتور، مدلل، معتدل اور متوازن اداریوں اور تبصروں سے اس سیاسی ہفت روزہ کا وقار واعتبار دوبارہ صحافتی اور سیاسی حلقوں میں بحال کیا۔ ندائے ملت کا رسول نمبر اور تعلیم نمبر بڑی محنت اور سلیقہ سے مرتب کیا۔ ۱۹۷۲ء تک تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ صحافتی کام بھی بڑی خوبی سے انجام دیتے رہے، پھر مولانا علی میاں کے مشورہ سے اعلی تعلیم کے حصول کے لئے جامعۃ الازہر مصر چلے گئے۔

مصر کے سفر کے متعلق خود فرماتے ہیں کہ وہاں کا قیام ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۶ء بعض اسباب کی بنا پر بڑا طویل اور صبر آزما رہا لیکن نہایت مفید رہا۔ وہاں کے قیام نے مطالعہ اور نئے تجربات کے مواقع فراہم کئے۔ اس دوران بہت سی کتابوں سے استفادہ کا موقع ملا جو ہندوستان میں عموماً نایاب تھیں اور اب تک نایاب ہیں۔ مختلف

ملکوں اور قوموں کے افراد کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا، وہاں کے اساتذہ کی وسعت نظر اور شفقت ہمیشہ یاد رہے گی۔

آپ نے جامعۃ الازہر کے کلیۃ اللغۃ کے شعبۂ ادب و نقد میں امتیازی نمبر سے ایم اے پاس کیا، آپ کے تھیسس کا عنوان تھا "الذوق الادبی حقیقتہ و وسائل تنمیتہ و دورہ فی النقد" تین گھنٹہ کے مناقشہ میں عین شمس یونیورسٹی کے اساتذہ نے اس رسالہ کی ترتیب، زبان و مواد اور نتائج تحقیق کو سراہا اور اس موقع پر نائب رئیس الجامعۃ الازہر نے یہ ریمارک دیا کہ "یہ مقالہ ایسا تھا کہ اس کے مناقشہ کی ضرورت نہیں تھی صرف قانونی خانہ پُری کی گئی ہے، والد صاحب پہلے ایسے ہندوستانی تھے جن کے متعلق مناقشہ میں یہ رائے قائم کی گئی تھی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ والد صاحب جامعۃ الازہر میں تعلیم کے آخری مرحلہ میں تھے اور میں درجہ دوئم ابتدائی کا طالب علم تھا، میں نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ایک بے ترتیب خط انکو لکھا جس میں اپنے مدرسہ کے حالات اور والد صاحب سے ملنے کے اشتیاق کا ذکر تھا۔ والد صاحب نے اس تحریر کی فوٹو کاپی کرائی اور اسے محفوظ کر لیا اور اسے اپنے دوسرے دوستوں کو دکھایا اور یہ فیصلہ کیا کہ اب انھیں یہاں کی تعلیم جلد مکمل کر کے گھر جانا چاہئے، میرے بچوں کو میری ضرورت ہے وہ اکثر و بیشتر کہا کرتے تھے کہ بچوں کے اصل مربی اور سرپرست اس کے والدین ہوتے ہیں اور ایک عمر تک پہونچنے سے پہلے بچوں کو والدین کے زیر تربیت رہنے میں بڑے فوائد ہیں۔ اور بغیر والدین کے یہ تربیت ناقص رہتی ہے انھوں نے اسی وقت یہ فیصلہ کیا کہ بچوں کی صحیح تربیت کے لئے میرا گھر جانا ضروری ہے اور ایسے حالات میں جانا چاہئے کہ خوش و خرم بغیر کسی پریشانی اور تکلیف کے اور خوش حالی کے ساتھ اپنا تعلیمی اور تربیتی زمانہ مکمل کریں اور اسی مقصد کی خاطر آپ نے سب سے پہلے قاہرہ ریڈیو کے شعبۂ اردو میں چھ سات مہینہ تک اناؤنسری کے فرائض انجام دیئے اور پھر وہاں سے جامعۃ الامام محمد بن سعود میں عربی ادب و انشاء کی تدریس کے لئے سال بھر رہے، لیکن گھر پر اپنی ذمہ داریوں کے احساس اور بچوں کی تربیت کی بے قراری نے انھیں جلد ہی جامعۃ الامام محمد بن سعود کی ذمہ داری چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور بالآخر ۱۹۸۲ء میں عالم اسلام کے مشہور ادارہ رابطہ عالم اسلامی کے مبعوث مقرر ہوئے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آپ کا تقرر ہوا۔

ہندوستان واپس آنے کے بعد اپنی علمی، ادبی، صحافتی اور انتظامی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ندوۃ العلماء میں عربی زبان و ادب کی معیاری کتابیں پڑھانے لگے، والد صاحب طلباء کو ان کی ذہنی و فکری استعداد کو دیکھتے ہوئے مفید خارجی کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ اور اس پر زور دیا کرتے تھے، ادب اسلامی کی عالمی تنظیم رابطہ ادب اسلامی کے قیام کے بعد آپ اس کے صدر دفتر کے ذمہ دار مقرر ہوئے اور اپنے استاذ اور بعد کے رفیق مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ساتھ مل کر اس نوخیز تحریک کو آگے بڑھایا، اس کے کئی سیمناروں میں والد صاحب کا نمایاں رول رہا۔ وہ تمام ادبی تحریکوں اور تنظیموں خصوصاً یورپ کے ادبی مکاتب فکر پر وسیع نظر رکھتے تھے۔ اور اسلامی ادب اور دوسری باطل ادبی تنظیموں کا موازنہ دلچسپ انداز میں کیا کرتے تھے۔ اور نہایت ہی مدلل اور واضح انداز میں ادب اسلامی کی ضرورت و اہمیت اور موجودہ زمانہ میں اس کی افادیت کو بیان فرماتے، ان کا ادبی نظریہ وہی تھا جس کا وہ ان الفاظ میں تذکرہ کیا کرتے تھے "ادب برائے ادب کا کوئی مطلب میری سمجھ میں آج تک نہیں آیا۔ ادب برائے اصلاح فکر و نظر.... ادب برائے تزئین احول، ... ادب برائے بلندی انسانیت ..... ایک شایان نصب العین ہے جس کے لئے ایک باہمت اور بلند حوصلہ انسان زندگی کے قیمتی اوقات بے دریغ قربان کر سکتا ہے، والد محترم کی عربی و اردو تنقید پر گہری اور ناقدانہ نظر تھی، اپنی تحریروں اور مجلسوں میں طنز و مزاح سے بڑی خوبی سے کام لیتے تھے۔ رابطہ ادب اسلامی کا ماہانہ ترجمان "ملحق الادب الاسلامی" جب سے منظر عام پر آیا اس کی ادارت کی ذمہ داری آپ ہی کے کندھوں پر رہی، آپ انٹلکچول فورم کے بانی ممبروں میں تھے، اور اس کے قیام میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جامعہ اسلامیہ نور باغ کے سرپرست اعلیٰ تھے، اور جس تعمیرات کو تعمیری رخ دیئے اور اس کو پروان چڑھانے کا سہرا بھی آپ کے سر جاتا ہے۔

والد صاحب ملک اور بیرون ملک کے سیمناروں میں بھی شریک ہوتے تھے اور اکثر علمی و ادبی اور تحقیقی مضامین اور مقالات سے محفلوں کو منور فرماتے تھے، آپ نے اس سلسلہ میں ترکی، لیبیا، مصر، سعودی عرب، شارجہ، دبئی، کھٹمنڈو نیپال کا سفر کیا۔ آپ نے ماہنامہ محدث بنارس، ذکر و فکر نئی دہلی، صوت الامۃ دارالسلام، قومی آواز اور دیگر رسالوں کو بھی اکثر و بیشتر قلمی تعاون دیا۔ دوردرشن کے پروگرام اور دھرتی اور آکاشوانی کے اردو پروگراموں میں بھی شرکت کرتے تھے، آپ نے مولانا علی میاں صاحب ندوی کی بہت سی کتابوں کا عربی سے اردو میں ترجمہ بھی کیا اور اس سلسلہ میں دوسرے رفقاء سے اشتراک کیا جن میں منصب نبوت، دریائے کابل سے دریائے یرموک تک اور عالم عربی کا المیہ شامل ہیں۔ اسی طرح آپ نے سید قطب اور بعض دوسرے اہل قلم کے مقالوں کا بھی اردو میں ترجمہ کیا جو مختلف رسائل میں شائع ہوئے اور مقبول خاص و عام ہوئے، ابھی آپ نے نزہۃ الخواطر کے جلد ہفتم کے اردو ترجمہ کی ذمہ داری سنبھالی تھی کہ شاعر کا یہ شعر آپ پر صادق آیا ؎

کھلتا ہے کوئی پھول تو جی ڈرتا ہے
کہ ڈھونڈلی ہو نہ اسے گردش ایام کہیں

لیکن جب وقت آیا کہ آپکی علمی، ادبی اور فنی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جائے تو تقدیر الٰہی نے ان کے اس عالم فانی سے کوچ کا فیصلہ کر دیا انا للہ وانا الیہ راجعون، للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی، ۔ جوان والد اللہ کو پیارے ہو گئے، ہم بندے ہیں آقا کے فیصلہ میں کیا چون و چرا ہو سکتی ہے، مگر آب و خاک کا بنا ہوا یہ پتلا اپنے سینے میں ایک دل رکھتا ہے، ایسے جانکاہ حوادث سے تڑپ اٹھتا ہے، بے کل ہو جاتا ہے، دنیا تنگ و تاریک نظر آنے لگتی ہے، حوصلے پست ہو جاتے ہیں،

والد صاحب علالت کے جن مراحل سے گذر رہے تھے دھڑکا ہر آن لگا رہتا تھا کہ کسی وقت بھی یہ حادثہ پیش آسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات مردہ کو زندہ کرنے پر قادر ہے اس لئے امید و آس ٹوٹی نہیں تھی۔ لیکن جب یہ کٹھن گھڑی آئی تو نہ پوچھئے کہ دل پر کیا گذر گئی، والدہ ماجدہ اور بہنوں کا حال زار الگ دل کو نڈھال کئے دے رہا تھا، ہمارے کرم فرماؤں نے، ابا کے دوستوں اور استادوں نے کتنی دعائیں کیں، ہم گھر والوں کے دعاؤں اور رب کریم سے التجاؤں کا تو بیان بھی مشکل ہے مگر :-

ان اجل اللہ اذا جاء لا یؤخر

آہ! مولانا نور عظیم ندوی

استاذ ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اشرف فردوسی متعلم شعبۂ ادب

الوداع اے گلشن علم و ادب کے پاسباں
الوداع اے خوشتر و زیبائے رُخ جادو بیاں

شور ماتم ہے چمن میں بلبلیں رونے لگیں
پل کی پل میں بن گیا اندوہ و غم آگیں سماں
گلستان علم میں اک دھول سی اڑنے لگی
ذرہ ذرہ بن گیا تصویر حیرت بے گماں
ہر طرف گونج رہی ہے آہ و زاری کی صدا
نوحہ و غم اور اندوہ و الم ہیں سسکیاں
کس طرح میں حال زار دل کہوں اے غمگسار
شیشۂ دل چور ہے آنکھیں ہیں میری خونفشاں
آپ تنہا چھوڑ کر ہم کو گئے سوئے عدم
کتنی آنکھیں نم ہوئی ہیں تیرے جانے سے یہاں
آپ کا سایہ تھا مضراب خطابت کے لئے
خوشنوا، پرسوز، آہنگ مثالی بے گماں
اے کہ تھے روح ادب عربی زباں میں بے مثال
کتنے دل معمور تھے فیضان تھا ہر سو رواں
اردوئے دلگیر میں بھی آپ کو تھی دسترس
معترف شائستگی کے ہیں مضامیں بے کراں
آپ کی تحریر میں تھا فکر و فن کا بانکپن
آپ تھے تدریس میں اک نکتہ رس جادو بیاں
غلغلے تھے گلشن علم و ادب میں آپ کے
آج وحشت کا سماں ہے گلستاں در گلستاں
لے کے تجھ پہ بوالحسن، رابع کو بے حد ناز تھا
تو نشان معتبر تھا دوستوں کے درمیاں
اشرف محزوں کی رب سے ہے اپنی یہ دعا
جنت فردوس میں ہو آپ کا اونچا مکاں

کہہ دیا اشرف نے تاریخ وصال عبد نور
سال ہجری چودہ سو تیرہ کا ہے یہ ارمغاں

۱۴۱۳ھ

سوال و جواب

مولوی محمد طارق ندوی

س:۔ لاؤڈ اسپیکر سے اذان دینے میں چند قباحتیں ہیں، اذان کے درمیان اکثر و بیشتر خراب ہونا، مختلف اذانوں کی آوازوں میں باہم خلط ملط ہونا، غیر مسلموں سے تصادم ہونا وغیرہ وغیرہ تو کیا اس کا استعمال شرعاً جائز ہے۔؟

ج:۔ اذان دینا شروع و مسنون ہے اور شرعاً ایک پسندیدہ اور ضروری عمل ہے اس کے ذریعہ تمام انسانوں کو خیر کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو نماز کے لیے پکارا جاتا ہے، دور دراز سے اذان کی آواز سن کر لوگ مسجد میں اکٹھا ہوتے ہیں اور فریضہ کی ادائیگی کرتے ہیں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ آواز زیادہ دور تک پہونچتی ہے اور دعوت کا کام بحسن و خوبی انجام پاتا ہے، اسی مقصد کی خاطر مسلمانوں نے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال شروع کیا۔ اس میں کسی کو اذیت پہونچانا مقصود نہیں ہے اور نہ ہی فی الواقع کوئی اذیت و انتشار ہے، چونکہ آج کل بعض شرپسند مسلمانوں اور اسلام کی ہر نشانی کو مٹانے کے درپے ہیں اس لیے وہ ہر اسلامی شعار پر اعتراض کرتے ہیں اور اس کو ختم کرنے کی سازشیں کرتے ہیں۔ آج کے حالات میں ضرورت ہے کہ مسلمان جمیں اور کسی چیز سے دست بردار نہ ہوں۔

س:۔ کن لوگوں پر حج کرنا فرض ہے؟

ج:۔ حج ہر ایسے مسلمان پر فرض ہے جو آزاد، عاقل، بالغ اور تندرست ہو اور اس کے پاس حوائج اصلیہ کے علاوہ اتنا مال ہو کر خانہ کعبہ جانے آنے کے خرچ کے لیے کافی ہو اس کے علاوہ جن متعلقین کا خرچ اس کے ذمہ واجب ہے وہ ان کو دیا جاسکے، راستے کا مامون ہونا اور عورت کے لیے محرم کا ہونا بھی شرط ہے۔

س:۔ بعض مسجدوں میں فرض نماز کے بعد سلام پھیرتے ہی دعا سے پہلے کوئی دینی کتاب تھوڑی دیر پڑھتے ہیں کیونکہ اگر دعا کے بعد کتاب پڑھیں تو زیادہ لوگ چلے جاتے ہیں تو کیا یہ شرعاً درست ہے؟

ج:۔ ہاں اگر مصلیوں؟ دعا سے قبل کوئی دینی کتاب پڑھ دی جائے تو شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

س:۔ تعویذ لکھنا یا پہننا درست ہے یا نہیں؟

ج:۔ تعویذ اگر ادعیہ ماثورہ یا آیات قرآنیہ پر مبنی ہے تو ایسے تعویذ کا استعمال درست ہے لیکن احترام کا پورا خیال رکھا جائے اور اگر ایسے کلمات لکھے گئے ہیں جو قرآنی آیات یا ادعیہ ماثورہ کے تو نہیں ہیں لیکن اللہ ہی سے استمداد ہے اور غیر اللہ سے استمداد نہیں ہے تو وہ بھی جائز ہیں لیکن اگر تعویذ ایسے کلمات پر مشتمل ہے جس میں غیر اللہ سے استمداد ہے تو ان کا استعمال جائز نہیں ہے۔

س:۔ ایک شخص نے دو سگی بہنوں سے ناواقفیت کی وجہ سے نکاح کیا اب وہ کیا کرے آیا جس سے پہلے نکاح کیا تھا اسے اپنی زوجیت میں برقرار رکھے یا بعد میں جس سے نکاح کیا ہے اسے برقرار رکھے یا دونوں کا نکاح کالعدم ہو گیا۔

ج:۔ صورت مسئولہ میں جس بہن سے پہلے نکاح کیا ہے وہ معتبر ہوگا، دوسری وہ بہن جس سے بعد میں نکاح کیا ہے غیر معتبر ہے اس سے تعلق منقطع کرے اور توبہ و استغفار کرے۔

س:۔ کیا قبر پر دفنانے کے بعد اذان دینے کا شرعاً کوئی ثبوت ہے؟...

ج:۔ نہیں! قبر پر دفنانے کے بعد اذان دینے کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ طریقہ جس کا آج کل بعض مقامات پر رواج ہو گیا ہے صریح بدعت ہے اس سے احتراز لازم ہے

س:۔ کیا بعد نماز فجر اور بعد نماز جمعہ لاؤڈ اسپیکر پر سلام پڑھنا جیسا کہ بعض مساجد میں رائج ہے، درست ہے!

ج:۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے

باقی ص ۱۴ پر

مختصر عالمی خبریں

سعید اشرف ندوی

● فلپائن کے موروڈیشنل لبریشن فرنٹ کے چیئرمین مسٹر نور مسوری نے کہا ہے کہ فلپائن کے جنوبی جزائر منڈاناؤ کے مسلم اکثریتی علاقوں میں عنقریب ایک جمہوری حکومت بن جائے گی جو مسلمانوں کی آزادی کی جانب ایک اہم قدم ہوگا۔ واضح رہے کہ امریکہ نے جب فلپائن پر قبضہ کیا تو مسلم اکثریتی علاقہ منڈاناؤ کو بھی شامل کر لیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ۱۹۶۰ء سے مسلمانوں نے مسلح جد و جہد کا آغاز کیا جس کو حکومت برابر کچلتی رہی لیکن اب بعض اسلامی ملکوں اور اسلامی کانفرنس تنظیم کی جد و جہد سے مورو مسلمانوں اور فلپائنی حکومت کے درمیان ایک معاہدہ طے پاگیا ہے جس کی رو سے مسلمانوں کو اپنے علاقہ کے انتظام کے لیے داخلی خودمختاری حاصل ہوگئی ہے۔

● عرب نیوز کے نامہ نگار نے وائس آف امریکہ کو ایک انٹرویو میں بتایا ہے کہ اس سال تقریباً ۲۵ لاکھ فرزندان اسلام فریضۂ حج ادا کریں گے۔

● اسلامی وزرائے خارجہ کے ترجمان کے ایک بیان کے مطابق اب تک بوسنیا کے لیے اسلامی کانفرنس کے شامل ممالک نے ۵۸ ملین ڈالر کے عطیات کا اعلان کیا ہے ان میں سعودی عرب کے فہد بن عبدالعزیز ۲۰ ملین ڈالر، اور کویت کی جانب سے ۱۰ ملین ڈالر اور پاکستان کی جانب سے ۵ ملین ڈالر جبکہ متحدہ عرب امارات اور ترکی کے بھی تین تین ملین ڈالر کے عطیات شامل ہیں۔

● افغانستان کے نامزد وزیراعظم اور حزب اسلامی کے امیر انجینیر گلبدین حکمت یار نے روس پر الزام لگایا ہے کہ وہ ۱۵۰ ملین جعلی کرنسی چھاپ کر کمیونسٹ نواز افغانوں تک پہنچائی ہے یہ افغانستان کے اندرونی معاملات میں کھلی مداخلت ہے۔

● سعودی عرب اور پاکستان نے نو آزاد افریقی ملک اریٹیریا کو تسلیم کر لیا ہے عرب امارات قطر اور بحرین نے بھی اریٹیریا کی آزادی کا خیر مقدم کیا ہے۔

● امریکہ مسلسل اسرائیل کی جارحیت کی پشت پناہی کر رہا ہے اس کا واضح ثبوت ہے کہ اقوام متحدہ نے اسرائیلی جارحیت کے خلاف اب تک ۶۶ قراردادیں پاس کیں ان قراردادوں میں کم از کم ۲۹ بار امریکہ نے ویٹو حق تنسیخ کا استعمال کر کے قراردادوں کو پاس ہونے سے روک دیا ہے واضح رہے کہ عراق کو صرف ایک بار ایک قرارداد کے عوض میں سزا بھگتنی پڑی ہے۔

● روس [illegible] مسلمانوں کا [illegible]

جمعہ، ۱۰ مئی بیعل سوکر کے سعودی عرب فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے سب سے پہلے پہنچنے والے لوگ آذربائیجان، ترکی اور اردن کے راستے سعودی عرب پہنچ گئے۔

● جاپان میں گذشتہ سال خودکشی کی شرح میں ۹ء۷ فیصد کا اضافہ ہوا ہے پولیس کی سالانہ رپورٹ کے مطابق ان میں سے اکثر مالی مصائب کے سبب خودکشی پر آمادہ ہوئے۔

● یوگنڈا کے اسلام پسند مسلمانوں نے ایک سیاسی پارٹی قائم کی ہے جس کا نام یوگنڈا اسلامی انقلابی پارٹی رکھا ہے اس کا مقصد ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذ، معاشرہ اور انتظامیہ کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلانا ہے۔

● امریکہ کے وائٹ ہاؤس کے سامنے ۵۰ ہزار سے زائد مسلمانوں نے بوسنیا میں قتل عام کے خلاف مظاہرہ کیا اور فوری امریکی فوجی اقدام کا مطالبہ کیا۔ مظاہرین اپنے ہاتھوں میں تختیاں لیے ہوئے تھے جن میں گرینیڈا، پناما اور کویت میں فیصلہ کن امریکی فوجی مداخلت کے حوالے تھے اور پوچھا گیا تھا کہ اب امریکہ کہاں ہے؟

● ایمنسٹی انٹرنیشنل کے سربراہ نے کہا ہے کہ الجزائر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی بڑھتی جا رہی ہے، دانشوروں، مزدوروں اور مختلف تنظیموں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ تشدد کی لہر کو روکنے کے لیے مہم شروع کریں۔ واضح رہے کہ الجزائر میں حکومت نے اسلام پسندوں کے خلاف اس وقت سے فوجی کارروائی شروع کر رکھی ہے جب پہلے عام جمہوری انتخاب میں اسلام پسندوں کو پہلے مرحلے میں زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور اسلامک نجات محاذ کی حکومت قائم ہونے کے امکانات روشن ہو گئے حکومت نے انتخابی نتائج منسوخ کر دیئے اور نجات محاذ کو سیاست سے روک دیا۔

● اسلامی کانفرنس تنظیم (او۔ آئی۔ سی) نے ایک نیا جنرل سکریٹریٹ قائم کیا ہے جو سعودی عرب، پاکستان، سینیگال اور مصر پر مشتمل ہوگا۔ [illegible] خبر رساں ایجنسی کے مطابق مصر [illegible] جگہ لے گا جس کی تنسیخی مدت ختم ہو گئی ہے۔

● افغانستان میں [illegible] وزارت کی تشکیل عمل میں نہیں آسکی ہے [illegible] دفاع کے تقرر [illegible] ہے

ندوہ کے شب و روز

محمد عارف جمال

الحمد للہ دار العلوم ندوۃ العلماء اسلامی تعطیل کے بعد ۷ر شوال کو کھل گیا۔ تمام طلبہ مدرسہ کھلنے کے چند دنوں بعد ہی حاضر ہو گئے اور اپنے تجدید داخلے اور دیگر دفتری امور سے فارغ ہو کر تعلیم کے لیے ذہنی طور سے تیار ہو گئے جلد ہی درجات میں تعلیم کا آغاز بھی ہو گیا۔ اور اب تعلیم اپنے پورے شباب پر ہے۔ اگرچہ موسم گرما کی آمد آمد ہے اور گرمی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے تاہم ان فدایان تعلیم کے تعلیمی انہماک میں ذرا بھی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی الحسنی ندوی مدظلہ العالی کا طلبہ سے خطاب

تعلیمی سال کے آغاز پر حضرت مولانا مدظلہ العالی جدید و قدیم طلبہ سے خصوصی خطاب فرماتے ہیں لہٰذا ۲۰ر شوال کو حضرت مولانا نے آیت کریمہ "اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ" کو موضوع سخن بنا کر طلبہ سے خطاب فرمایا۔ اس طویل تقریر میں حضرت مولانا نے طلبہ سے فرمایا کہ دینی تعلیم کو حاصل کرنے میں بے شک متعدد مشکلات کا سامنا ہو گا مختلف رکاوٹیں سامنے آئیں گی۔ کامیابی کا تاج اسی کے سر پر ہو گا جس نے ان تمام مشکلات پر صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا ہو گا۔ مولانا نے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و ضبط کی مثال پیش کر کے وضاحت کی کہ ان کو موت کے کنوئیں سے نکال کر تخت شاہی پر جلوہ افروز کرانے میں یہی صبر و تحمل کی طاقت کارفرما تھی۔ طلبہ کو مشورہ دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ چونکہ یہ دور علمی انحطاط و زوال کا دور ہے اور سطحیت کا اس میں دور دورہ ہے اس لیے ضرورت ہے کہ تمام فنون پر یا کم از کم کسی بھی ایک فن پر عبور حاصل کیا جائے۔ مولانا نے فرمایا کہ دو چیزیں کسی بھی انسان کے لیے کامیابی کی ضامن ہو سکتی ہیں ایک اختصاص اور دوسرا خلاص آخر میں مولانا نے دعا پر جلسہ کا اختتام فرمایا

جمعیۃ الاصلاح کے اراکین اور کابینہ کی تشکیل

درس و تدریس کے ساتھ دار العلوم نے ذہنی فکری تربیت کا بھی اہتمام کیا ہے یہاں ایک طرف تو طلبہ کو علوم دینیہ سے حصہ وافر حاصل کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے تو دوسری طرف دشمنان اسلام کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے ان کی تحریری و تقریری صلاحیتوں کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے جمعیۃ الاصلاح اور الاصلاح خورد کا قیام عمل میں آیا۔

جمعیۃ الاصلاح کا افتتاحی جلسہ

بتاریخ ۱۸ر ذو القعدہ بعد نماز مغرب متصلاً جمالیہ ہال میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی الحسنی ندوی مدظلہ العالی کی صدارت میں انجمن الاصلاح کا افتتاحی جلسہ منعقد ہوا۔ جلسے کا افتتاح تلاوت قرآن مجید سے کیا گیا۔ اس کے بعد احتشام اور ان کے رفقاء نے ترانہ ندوہ پیش کیا پھر ناظم الاصلاح محمد مصطفیٰ خان نے اپنا مقالہ پیش کیا اس میں انھوں نے اپنی اور اراکین الاصلاح کی جملہ ذمہ داریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ عہد کیا کہ وہ اور ان کے رفقاء ان شاء اللہ اپنی ذمہ داریوں کو حتی المقدور پورا کرنے کی کوشش کریں گے اور سال رواں کو ایک مثالی سال ثابت کر دکھائیں گے۔

حضرت مولانا نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جمعیۃ الاصلاح کو عصری کالجوں اور یونیورسٹیوں کی یونین کی طرح نہیں سمجھتا بلکہ اس کے قیام کے مقاصد اس سے کہیں بالاتر اور فکر انگیز ہیں۔ مولانا نے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دور اسلام کے لیے ان تمام ادوار سے جو اسلام پر گذرے ہیں زیادہ سنگین ہے اس میں شک نہیں کہ تاریخ اسلام میں دو مرحلے ایسے آئے ہیں جنھوں نے اسلام کے وجود کو اس وقت خطرے میں ڈال دیا تھا ایک صلیبی جنگیں اور دوسرا تاتاریوں کا حملہ لیکن تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ دور ان دونوں سے زیادہ پر خطر ہے۔ آج عیسائیت اپنے وسائل اور یہودیت اپنی ذہانت اور حکمت عملی کے ساتھ اسلام کی بیخ کنی کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہیں یہ تاریخ کا پہلا اتفاق ہے حالانکہ ان دونوں کے درمیان زبردست بنیادی مذہبی اختلاف پایا جاتا ہے یقیناً یہ ایک خطرناک گٹھ جوڑ ہے مولانا نے مزید فرمایا کہ اس جدید چیلنج کا جواب دینے کے لیے طلبہ کو تحریر و تقریر میں ملکہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہی اس وقت کا جہاد اور عظیم دینی خدمت ہے اور اس مقصد کو پورا کرنے میں انجمن الاصلاح کا اسٹیج اپنے وسائل کے لحاظ سے نہایت ممد و مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ پھر مولانا کی دعا پر جلسے کا اختتام ہوا۔

النادی العربی کا افتتاح

بتاریخ ۲۰ر ذو القعدہ تعلیمی گھنٹوں کے متصلاً بعد حضرت مولانا کی صدارت میں النادی العربی کا افتتاحی جلسہ منعقد ہوا، النادی العربی دار العلوم ندوۃ العلماء کا ایک اہم شعبہ ہے جس میں طلبہ عربی زبان میں تقریر و تحریر کی مشق کرتے ہیں۔ اس افتتاحی جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ اس کے بعد امین العام للنادی العربی نے مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی سے طلبہ کو خطاب کرنے کی گذارش کی۔ مولانا کی تقریر کے بعد حضرت مولانا علی میاں مدظلہ العالی نے طلبہ سے خطاب فرمایا مولانا نے اپنی تقریر میں طلبہ کو عربی زبان میں عبور حاصل کرنے اور اس میں برجستہ تقریری صلاحیت پیدا کرنے پر زور دیا۔ مولانا نے فرمایا کہ عربی زبان کو صرف زبان کی حیثیت سے سیکھنا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ سے براہ راست ان اہل عرب سے خطاب کیا جانا مقصود ہونا چاہیے جن کے ایک فرد محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سارا عالم انسانی ہدایت سے روشناس ہو سکا۔ لہٰذا اس دور میں جبکہ عالم عربی تیزی سے انحطاط کی طرف جا رہا ہے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم براہ راست ان سے مخاطب ہو کر ان کی غلطیوں پر انھیں متنبہ کریں ان کے ہم پر جو عظیم حقوق ہیں اس کا یہی تقاضا ہے۔ اس جلسہ کی پوری کارروائی حسب سابق عربی میں ہوئی۔

الاصلاح خورد کا افتتاحی جلسہ

۲۰ر ذو القعدہ بعد نماز مغرب متصلاً سلیمانیہ ہال میں حضرت مولانا کی صدارت میں الاصلاح خورد کا افتتاحی جلسہ منعقد ہوا اس موقع پر مولانا عبد الکریم پاریکھ صاحب مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی اور دیگر اساتذہ تشریف فرما تھے۔ اس افتتاحی جلسے کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا پھر ترانہ ندوہ پیش کیا گیا ناظم الاصلاح کے مقالے کے بعد حضرت مولانا نے طلبہ سے خطاب فرمایا اور پھر ایک بار الاصلاح کی افادیت کو اجاگر کیا اور خود اعتراف کیا کہ میں الاصلاح کا ممنون ہوں کہ اپنی بعض تصنیفات میں مجھے یہاں سے ایسی کتابیں فراہم ہوئیں جن سے مجھے کافی مدد ملی اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ افادیت برقرار ہی نہیں رہے گی بلکہ اس میں اضافہ ہو گا۔ مولانا نے فرمایا کہ ایسے اشخاص کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے کہ جو امت مسلمہ کے مثقف فرزندوں کا اسلام پر اعتماد بحال کر سکیں جن کا اس پر اعتماد متزلزل ہو چکا ہے اس کے لیے تیار ہونے میں الاصلاح کی سرگرمیوں سے کافی مدد لی جا سکتی ہے، آخر میں حضرت مولانا کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

دعائے مغفرت

- دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ محمد شاہد علی ندوی کے حقیقی چچا جناب حافظ غلام محمد صاحب کا طویل علالت کے بعد ۱۹ر اپریل ۱۹۹۳ء بروز جمعہ انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
- دار العلوم کے طالب علم سید شاہد حسین "عالیہ رابعہ شریعہ" کی والدہ محترمہ کا ۷ر مئی ۱۹۹۳ء بروز جمعہ مختصر علالت کے بعد انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون،
- ضلع گرگاؤں کے جناب حاجی علی بخش منصوری صاحب کا ۱۱ر اپریل ۱۹۹۳ء کو انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون،
- ضلع کھگڑیا کے مولانا محمد عمر قاسمی کا ایک طویل علالت کے بعد مورخہ ۲۸ر اپریل ۹۳ء کو انتقال ہو گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بقیہ: درس حدیث

رہا ہے کہ جب نفلی نماز پڑھتے تھے یا روزہ رکھتے اور حج کرتے تھے تو اس کا ثواب عام مسلمان مردوں کو پہنچاتے تھے اس میں کوئی خصوصیت نہیں رکھتے تھے، بلکہ یہ ان کا معمول تھا لہٰذا سلف کے اس طریقہ سے نہ ہٹنا چاہیے کہ یہ بہتر اور اچھا عمل ہے۔

سوال کیا گیا کہ میت کے متعلقین تلاوت کریں تسبیحات تکبیرات اور کلمہ لا الہ الا اللہ کر ایصال ثواب کریں تو ثواب پہنچتا ہے کہ نہیں جواب میں فرمایا: میت کے اعزہ اگر تلاوت و تسبیح، تکبیر اور تہلیل (لا الہ الا اللہ کہنا) اور بھی اللہ تعالیٰ کا جو ذکر کریں اگر اس کا ثواب مردوں کو پہنچائیں تو پہنچتا ہے (واللہ اعلم)[۴]

حالات حاضرہ سے حدیث کی تطبیق

۱۔ حدیث سے رہنمائی ملتی ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ عبادت اور ثواب کے کاموں میں نیز خطاؤں کو مٹانے کے سلسلے میں حدیث پاک میں مذکور حدود کا خیال رکھے کہ انسان کی نیکیوں سے اس کی برائیوں کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں اور اس کی احتیاط و تقویٰ کے سبب اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

۲۔ اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام والدین کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں اس کی مختلف صورتوں اور طریقوں کو معلوم کرنے کے لیے کتنے فکرمند اور حریص رہا کرتے تھے۔

۳۔ حدیث میں یہ وارد ہے کہ انسان کی اولاد اسی کی کوشش و عمل کا نتیجہ ہے یہی وجہ ہے کہ والدین کو اولاد کے عمل کا فائدہ پہنچتا ہے اولاد ایصال ثواب کرتی ہے تو وہ والدین کو پہنچتا ہے حدیث شریف میں آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت میں آدمی کا مرتبہ بلند کیا جائے گا تو وہ سوال کرے گا یہ کیسے ہوا (ہم نے تو اس درجہ کا عمل کیا نہیں) تو جواب دیا جائے گا کہ تمہارے لڑکے نے تمہارے لیے دعا و استغفار کیا ہے اس کے سبب یہ مرتبہ ہے۔

۱ نساء ۳۶ ۔ ۲ متفق علیہ
۳ نساء ۲۳ ۔ ۴ مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ۔

بقیہ: حج بدل

۱۔ مردہ (جس کی طرف سے حج کیا جائے) ۲۔ حج کرنے والا ۳۔ حج بدل کرانے والا۔

۲۔ جو شخص کسی کی طرف سے حج کرے اس کو اور جس کی طرف سے حج کر رہا ہے دونوں کو برابر ثواب ملتا ہے۔

۳۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی میت کی طرف سے حج (بدل) کیا تو میت کے لیے ایک حج (کا ثواب) لکھا جائے گا اور حج کرنے والے کے لیے سات حج کا۔

۴۔ جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ جس نے اپنے والدین کے لیے حج کیا تو اس کے دس حج شمار ہوں گے۔

۵۔ جس شخص نے اپنے والدین کی طرف سے حج کیا یا ان کی طرف سے قرض ادا کیا تو وہ قیامت کے دن نیک لوگوں کے ساتھ اٹھے گا۔

ان بیان کردہ حدیثوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ حج بدل کا بہت زیادہ ثواب ہے اور ثواب کی زیادتی کا دار و مدار حج کرانے اور کرنے والوں کی نیت و خلوص پر ہے اس لیے اگر کوئی سعادت مند بیٹا اپنے والدین کی طرف سے کسی کو حج (بدل) کرا دے یا ان کی طرف سے خود حج کرے تو بڑا ثواب کا کام ہے اور جب کہ والدین میں سے کسی ایک پر حج بھی فرض ہو چکا ہو اور انھوں نے مرنے سے پہلے وصیت نہ کی ہو تو ایسی صورت میں اولاد پر ان کی طرف سے حج کرا دینا مستحب ہے۔

آمر و مامور

یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ حج بدل میں ایک آمر ہوتا ہے اور دوسرا مامور یا یوں کہہ لیجیے کہ جو حج کراتا ہے اس کو آمر کہتے ہیں اور جو کسی کی طرف سے حج کرتا ہے اس کو مامور کہتے ہیں۔ حج جس طرح فرض و نفل دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے اسی طرح حج بدل فرض بھی ہوتا ہے اور نفل بھی، حج نفل اور اسی طرح عمرہ نفل اس شخص کی طرف کرنا جائز ہے جو اس فریضہ کو ادا کر چکا ہو اور دوبارہ مشغولیت کی وجہ سے نہ جا سکتا ہو۔ نفلی حج میں اس قید کا لحاظ بھی ضروری نہیں ہے

حج بدل کب فرض ہوتا ہے

کسی شخص پر حج فرض ہو گیا ہو اور اسے حج کا زمانہ بھی ملا لیکن اس وقت قدرت کے باوجود اس نے حج نہیں کیا بعد میں یہ قدرت جاتی رہی اور وہ عاجز ہو گیا تو اس پر کسی دوسرے سے حج کرانا فرض ہے خواہ اپنی زندگی میں کرائے یا مرنے کے بعد حج کرانے کی وصیت کر جائے اس پر وصیت واجب ہے اور اگر شرائط وجوب حج تو پائے گئے لیکن ادا کرنے کا وقت نہیں ملا یا حج کو جاتے ہوئے راستہ میں مر گیا تو اس کے ذمہ سے حج ساقط ہو گیا۔ اور اس پر حج کرانے کی وصیت واجب نہیں۔ لیکن جس سال حج واجب ہوا اس سال نہ جا کر بعد میں گیا ہو اور راستہ میں انتقال ہو گیا ہو تو وصیت واجب ہو گی۔

اسباب عجز

موت، قید، ایسا مرض کہ جس کے دور ہونے کی امید نہ ہو جیسے فالج، اندھا ہونا، لنگڑا ہونا، اتنا بوڑھا ہونا کہ سواری پر بیٹھنے کی قدرت نہ رہے، ان تمام اعذار کا موت تک باقی رہنا تحقیق عجز کے لیے شرط ہے۔

حج بدل کے شرائط

۱۔ حج نفل میں تو حج کرنے والے کے اندر اہلیت یعنی عقل و تمیز اور اسلام کا ہونا کافی ہے البتہ حج فرض ہو تو جو شخص کرائے اس پر حج فرض ہو، صحیح و تندرست بھی ہو اگر کسی نے حج فرض ہونے سے پہلے حج کرا دیا اور بعد میں مالدار ہو گیا تو پھر دوبارہ حج کرانا فرض ہے پہلا حج نفل ہو گا فرض نہ ہو گا۔

۲۔ موت کے وقت تک عاجز رہنا اگر حج سے پہلے عذر جاتا رہا اور خود قادر ہو گیا تو خود کرنا واجب ہو گا۔

۳۔ احرام کے وقت آمر کی طرف سے حج کی نیت کرنا اگر افعال حج شروع کرنے سے آمر کی طرف سے نیت نہیں کی تو حج فرض آمر کا ادا نہ ہو گا۔ مصارف واپس کرنا مامور پر لازم ہو گا۔

۴۔ حج یا عمرہ جس چیز کا حکم دیا ہے اس کے لیے سفر کرنا اگر حج کا حکم کیا لیکن مامور نے اول عمرہ کیا پھر میقات پر لوٹ کر اسی سال یا آئندہ سال حج کا احرام باندھا تو آمر کا حج نہ ہو گا۔

۵۔ آمر کی میقات سے احرام باندھنا اگر مامور نے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ معظمہ جا کر حج کا احرام باندھا اور حج کیا تو آمر کا حج ادا نہ ہو گا۔

۶۔ آمر کی نیت نہ کرنا یعنی صرف حج کا حکم کیا تھا اور مامور نے تمتع کیا تو مخالف ہو گا۔ اور ضمان دینا واجب ہو گا۔ اور حج مامور کا ہو گا۔ اسی طرح اگر قران کیا تو بھی مخالف ہو گا اور ضمان دینا ہو گا۔ البتہ قران آمر کی اجازت سے کرنا جائز ہے۔ لیکن دم قران اپنے پاس سے دینا ہو گا۔ آمر کے روپے سے دینا جائز نہیں۔ اور تمتع کرنا تو اجازت سے بھی جائز نہیں۔

مفتی سعید صاحب نے اپنے ایک فتویٰ میں اس موقع پر لکھا ہے۔

"حج بدل کرنے والے کو آمر کی بلا اجازت تو تمتع کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، لیکن اگر آمر تمتع کی اجازت دے دے تو بعض علماء کہتے ہیں، مگر محققین کی رائے یہی ہے کہ حج بدل والے کو آمر کی اجازت سے بھی تمتع کرنا جائز نہیں۔ اگر تمتع اجازت سے کرے گا تو ضمان نہ ہو گا لیکن آمر کا حج ادا نہ ہو گا۔ ملا علی قاریؒ نے شرح لباب میں اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے زبدۃ المناسک میں عدم جواز ہی کو اختیار کیا ہے اور حضرت الاستاذ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ مہاجر مدنی شارح سنن ابی داؤد بھی عدم جواز ہی کا فتویٰ دیتے تھے، اس لیے حج بدل والوں کو محض سہولت اور احرام کی طوالت سے بچنے کے لیے تمتع کر کے آمر کے حج کو خراب نہ کرنا چاہیے اور آمر کو چاہیے کہ بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کر دے کہ تمتع نہ کرے۔ (سعید احمد غفرلہ)

جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا اگر وہ کسی دوسرے کی طرف سے حج کرے تو حج ہو جائے گا لیکن مکروہ ہے۔ بعض علماء کے نزدیک تو مکہ مکرمہ پہنچتے ہی اس پر اپنا حج فرض ہو جائے گا۔ اور اس کو وہاں ٹھہر کر آئندہ سال اپنا حج کرنا واجب ہو گا اور یہ مشکل ہے، اس لیے احتیاط یہ ہے کہ ایسے شخص سے حج نہ کرایا جائے۔

ایسے شخص سے حج کرانا افضل ہے جو عالم باعمل ہو اور مسائل سے خوب واقف ہو اور اپنا حج فرض پہلے کر چکا ہو اس لیے کہ جس پر حج فرض ہو چکا ہو اس کو حج بدل کے لیے بھیجنا مکروہ تحریمی ہے اور جانے والے کے لیے مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہ اپنے فریضہ حج کو اپنے ذمہ رکھ کر دوسرے کی طرف سے حج بدل کو جاتا ہے، اولاً اس کو اپنے فریضہ حج سے سبکدوش ہونا چاہیے تھا۔